وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ ۝ إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ
إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝

اور انہیں احوال سناؤ ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا * جب وہ اس کے پاس آئے تو بولے سلام۔ کہا ہمیں تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے * انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ (۱۵/۵۱ تا ۵۳ * ت: بگ)

۵۱۔ اور ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کے واقعہ کی اطلاع دے دو۔ اس جملہ کا عطف اس سابق "نَبِّئْ عِبَادِیْ" پر ہے۔ یہ تاکید ہے اس امر کی کہ اللہ کا وعدۂ رحمت اور وعید عذاب آخرت کی طرح دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں (دیکھو ابراہیم علیہ السلام پر اللہ نے رحمت کی پیرانہ سالی کے باوجود ان کو اولاد عطا کی اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا) ضیف کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے۔ یہاں "ضیف" سے مراد ملائکہ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی بشارت دینے اور قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۵۲۔ "اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ" یہ ظرف ضیف کے متعلق ہے اس لئے کہ ضیف دراصل مصدر ہے یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ملائکہ حاضر ہوئے "فَقَالُوْا" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے ہی کہا "سَلٰمًا" السلام علیکم۔ یعنی ہم آپ کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں آپ نے فرمایا "وعلیکم السلام"۔ یہ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام تو تشریف لے گئے اور بکرے کا بھنا ہوا گوشت لائے۔ لیکن مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کا یہ فعل بہت عجیب معلوم ہوا۔ "قَالَ" تو فرمانے لگے "اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ" ہمیں تم سے خطرہ ہے۔ الوجل سے مشتق ہے بمعنی "اضطراب النفس لمتوقع مکروہ" (کسی دکھ درد کے وقوع کے خطرہ سے نفس کا بے چین ہو جانا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خطرے کا اظہار اس لئے فرمایا کہ آپ نے مہمان نوازی بہترین بکرے کا گوشت گھی میں بھون کر پیش کیا لیکن مہمانوں نے اسے منہ تک نہ لگایا۔ اس لئے آپ کا ان سے خطرہ محسوس فرمانا لازمی امر تھا۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جب کوئی کسی کے گھر کا کھانا نہ کھاتا تو لازماً اس کا یہ فعل صاحب خانہ کے لئے کسی سختی اور تکلیف پر محمول کیا جاتا تھا۔ اسی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف محسوس کرنا ایک لازمی امر تھا۔ نہ یہ کہ انہیں ملائکہ کرام کے اس فعل سے ابراہیم علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی۔ (روح البیان۔ ت)

۵۳۔ انہوں (ملائکہ) نے کہا۔ (اے) ابراہیم (علیہ السلام)! ہم سے خوف زدہ مت ہوں کیونکہ ہم

آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بچپن ہی میں بڑا عالم اور بڑھاپے میں بڑا حلیم ہوگا۔ (تفسیر ابن عباسؓ)

لغوی اشارے ★ نَبِّئْهُمْ : واحد مذکر حاضر امر معروف تنبئۃ مصدر۔ ھم ضمیر مفعول۔ ان کو آگاہ کر دے ● ضَيْفِ : مہمان۔ ضیف کے معنی اصل میں میلان کے ہیں ★ ضیف وہ ہے جو تمہارے پاس اتر کر تمہاری طرف مائل ہوا۔ اور ضیافۃ بستیوں میں متعارف ہو چکی ہے۔ ضیف اصل میں مصدر ہے اسی لئے عرب کی عام بول چال میں واحد، جمع دونوں میں اس کا استعمال یکساں ہے اور کبھی اس کی جمع بھی بنائی جاتی ہے چنانچہ اضیاف اور ضیوف وغیرہ کہا جاتا ہے۔ علامہ آلوسی نے تصریح کی ہے کہ "زیادہ فصیح یہی ہے کہ نہ اس کا تثنیہ بنایا جائے نہ جمع اور نہ تثنیہ جمع اور مؤنث کے لئے اس کی تانیث کی جائے۔ علامہ شیخ زادہ لکھتے ہیں۔ ضیف اصل میں ضاف یَضِیْفُ کا مصدر ہے جس کے معنی کسی شخص کے پاس مہمان بن کر آنے کے ہیں۔ پھر خود مہمان ہی کو یہ نام دے دیا گیا۔ (بیان) جو فرشتوں کے حق میں لفظ ضیف کا استعمال ہوا ہے حالانکہ کھانا اور مہمانی طلب کرنا ان کے لئے ناممکن تھا تو یہ اس حیثیت سے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ان کو اپنے خیال میں مہمان ہی سمجھا تھا کیونکہ مہمانوں کی سی صورت میں وہ آپ کے پاس آئے تھے۔ (حواشی شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی طبع عثمانیہ) ● وَجِلُوْنَ : صفت مشبہ جمع مذکر وَجِلٌ واحد۔ وَجَلٌ مصدر (سمع) خوف زدہ، ڈرنے والا ● الْغُلَامُ : الف لام تعریف۔ لڑکا مراد جوان (رازی) ● عَلِیْمٌ : بڑا دانا، خوب جاننے والا، علم سے بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ (ل ق)

معلومات مزید ★ فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بحیثیت مہمان آنا اور سلام کہنا ایک روح پرور واقعہ ہے۔ سلام سلامتی، امان، سلامہ، سالم کو کہتے ہیں یہ تسلیم یُسَلِّمُ کا مصدر ہے اس کے معنی عیوب و آفات سے سلامت رہنے، ان سے چھٹکارا پانے اور بری ہونے کے ہیں (لغات القرآن) سلم اور سلامۃ کے معنی ظاہری اور باطنی آفتوں سے الگ رہنے کے ہیں (مفردات القرآن) سلام کے چار معنی ہیں۔ سلامتی کی دعا، اسماء الہیہ میں سے رب تعالیٰ کا ایک نام، جنت کا ایک درخت اور مضبوط پتھر (تفسیر کبیر) سلام کے لغوی معنی ہیں آفات و عیوب سے سلامتی اسی سے تسلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام ہے سلام یعنی تمام عیوب سے پاک اور اپنے بندوں کو سلامتی دائمی دینے والا۔ (اشرف التفاسیر) سلام ایک جامع ترین دعا ہے جس میں دنیوی اور اخروی ہر قسم کی سلامتی آگئی۔ (قرطبی)۔ اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے وقت کلام کا آغاز سلام سے کیا جانا علامت سعادت ہے کیونکہ جب دو لوگ آپس میں ملیں تو ان کے منہ سے جو پہلی بات نکلے وہ ہر دو کے لئے موافقت محبت، خیر خواہی، امن و سلامتی کی ضمانت ہو۔ اسی لئے "السلام علیکم" یعنی تم پر سلامتی ہو سے بہتر کوئی اور الفاظ نہیں۔ سلام کا حکم سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ کردگار سے ملا

جب حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں ملائکہ کی ایک جماعت کو سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ "کون سا اسلام اچھا ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "کھانا کھلاؤ اور سلام کرو اسے جسے پہچانو یا نہ پہچانو۔" (صحیحین) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مومن پر مومن کے چھ حق ہیں۔ جب وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی کرے اور جب مر جائے تو جنازہ پر حاضر ہو، جب دعوت دے تو قبول کرے، جب اس سے ملے تو اسے سلام کرے اور جب چھینکے تو جواب دے اور اس کی خیر خواہی کرے جب وہ غائب ہو یا حاضر ہو (جامع اصول، بحوالہ نسائی بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم جنت میں نہ جاؤ گے حتی کہ مومن نہ بن جاؤ اور مومن نہ ہو گے حتی کہ آپس میں محبت نہ کیا کرو۔ کیا میں تمہیں اس پر رہبری نہ کروں کہ جب تم وہ کرو تو آپس میں محبت کرنے لگو۔ اپنے درمیان سلام پھیلاؤ" (مسلم شریف) سلام پھیلانے کے یہی معنی ہیں یعنی کہ ہر مسلمان کو سلام کرو جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ دلوں کی عداوتیں اور آپس کی رنجشوں کو دور کرنے کا اکسیر نسخہ "سلام" ہے۔ سلام سے متعلق متعدد ارشادات ہیں۔ یہ ارشاد اقدس ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سلام کرے سوار پیدل کو اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے بہتوں کو۔" (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "سلام کرے چھوٹا بڑے کو اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے بہت کو۔" (بخاری)

حضرت طفیل بن ابی بن کعبؓ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس جاتے تو وہ ان کو ساتھ لے کر بازار کی طرف چل نکلتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جس ردی فروش، دوکاندار یا مسکین کے پاس سے گزرتے اس کو سلام کہتے۔ حضرت طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہؓ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے بازار چلنے کو کہا۔ میں نے کہا کہ بازار جا کر کیا کریں گے۔ آپ نہ تو وہاں خرید و فروخت کے لئے رکتے ہیں نہ سامان وغیرہ کے متعلق پوچھتے ہیں اور نہ بھاؤ کرتے ہیں اور نہ بازار کی محفلوں میں بیٹھتے ہیں۔ میری تو خواہش ہے کہ یہیں ہمارے پاس تشریف رکھیئے ہم باتیں کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "ہم صرف سلام کی غرض سے بازار جاتے ہیں ہم جس سے ملتے ہیں اس کو سلام کہتے ہیں" (موطا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سے قریب وہ ہے جو سلام میں پہل کرے"

(احمد، ترمذی، ابو داؤد)

(س م خ ش)

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝

(ابراہیم علیہ السلام نے) کہا (کیا) مجھے اب بڑھاپے میں مژدہ دیتے ہو سو (اب) کاہے کا مژدہ دیتے ہو ✱ (انھوں نے) کہا آپ کو صحیح مژدہ دیتے ہیں پھر آپ ناامید نہ ہوں ✱ (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ (۱۵/ابراہیم ۵۴ تا ۵۶ ✱ ت: حقانی)

۵۴۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا میرا تو بڑھاپا آ گیا اس کے باوجود تم بشارت دے رہے ہو کس سبب سے بشارت دے رہے ہو۔ یعنی ایسی بات کی خوشخبری دے رہے ہو جس کا حصول واقع ہونا ناقابلِ فہم ہے۔ (تفسیر مظہری۔ ت)

۵۵۔ (فرشتوں نے) کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی ہے" قضائے الٰہی اس پر جاری ہو چکی ہے کہ آپ کے بیٹا ہو اور اس کی ذریت بہت پھیلے "آپ ناامید نہ ہوں"۔ (کنز الایمان و حاشیہ)

۵۶۔ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بھلا کون ناامید ہو سکتا ہے استفہام انکاری ہے یعنی مجھے کسی قسم کا شک نہیں مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے، وہ قادر ہے اپنے بندوں سے جس طرح کا معاملہ کرے، اس پر وہ شک نہیں کرتے مگر گمراہ لوگ، یعنی جنھیں طریقِ معرفت و صواب نصیب نہیں اس لئے انھیں اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور اس کے کمال علم و قدرت کی معرفت حاصل نہیں ✱ اس جملے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سے ناامیدی کی نفی بلیغ ترین طریقہ سے کی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی قسم کی ناامیدی نہیں، میں نے صرف اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر کہا کہ باوجودیکہ مجھے اس سن میں ناامید ہو جانا چاہئے لیکن اس کا فضل و کرم ہے اور اس کی کرم ہی سے میں نے اپنے لئے تعجب کیا (روح البیان۔ ت)

لغوی اشارے ✱ مَسَّنِيَ: مجھ کو پہنچ گیا ● الْكِبَرُ: اسم مصدر و مصدر مرفوع۔ عمر زیادہ ہو جانا، بڑھاپا ● الْقٰنِطِيْنَ: اسم فاعل جمع مذکر۔ اَلْقَانِطُ واحد قنوط مصدر (باب ضرب و سمع) خیر سے ناامید ہونے والے ● ضَآلُّوْنَ: گمراہ، بہکے ہوئے، راہ بھولے ہوئے ضلالٌ سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ضالٌّ کی جمع بحالت رفع (لغات القرآن)

معلوماتِ مزید ✱ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے مقدس رسول اور ہمارے نبی سید المرسلین خاتم النبیین حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد اور فخر حضور خاتم الانبیاء

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بحالت تشہد نمازی درود کے وقت آپ کا ہی نام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث معراج میں مذکور ہے کہ حضور انور صاحب معراج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں آسمان پر آپ کو اس حال میں پایا تھا کہ آپ بیت المعمور سے اپنی پشت مبارک لگائے ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرور عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح فرماتے ہوئے کیا تھا (صحیح بخاری باب المعراج) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن سب سے پہلے جن کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیر البریہ فرمایا۔ (بحوالہ صحیح مسلم بروایت حضرت انسؓ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت ملک بابل کے شہر "ار" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے (کم و بیش) دو ہزار سال قبل ہوئی۔ عام مورخین کی تاریخی تحقیق کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں حضرت سام بن نوحؑ سے ملتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلیہ مبارک کے متعلق حدیث صحیح میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اگر (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھنا چاہو تو اپنے صاحب (رسول محتشم یعنی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھو۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اصنام پرستی کے ساتھ کواکب پرستی بھی کرتی تھی آپؑ نے بعثت کے بعد سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو حق کی دعوت دی اور تبلیغ کی پھر اپنی قوم کو سمجھایا پھر بادشاہ وقت نمرود سے مناظرہ کیا اور توحید کے دلائل بیان کر کے اس کو ششدر کر دیا تاہم بد بختوں نے ایک نہ سنی اور سوائے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ اور آپ کے عزیز بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ قوم نے ہر طرح آپ کو ستانے اور آپ کی ایذا رسانی پر کمر باندھ لی یہاں تک ظالموں نے آپ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنان حق و صداقت کو ذلیل کر کے آگ کو آپ کے لئے سرد کر کے سلامتی بنا دیا۔ مسند ابی یعلی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔ ترجمہ: اے اللہ بلا شبہ تو آسمان میں واحد ہے اور میں زمین پر تیرا اکیلا پرستار ہوں۔ (البدایۃ والنہایۃ۔ ابن کثیر) پھر آپؑ نے وہاں سے ہجرت کی اور فرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں تشریف لے گئے کچھ دنوں بعد یہاں سے حران، پھر حران سے فلسطین اور فلسطین سے نابلس غرض اسی طرح تبلیغ و اشاعت حق کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مصر پہنچے۔ حضرت سارہؓ اور حضرت لوط علیہ السلام سفر میں ساتھ تھے۔ یہاں شاہ مصر نے اپنی صاحبزادی کو جن کا نام حضرت ہاجرہ تھا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دیا۔ اب آپ نے اللہ تعالیٰ سے فرزند کے متعلق دعا کی۔ حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تولد ہوئے اس پر حضرت سارہؓ کو رشک ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے کر جہاں آج خانہ کعبہ ہے وہاں تشریف لائے اور اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ گئے اور خود فلسطین میں مقیم رہے مگر برابر مکہ میں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دیکھنے آتے رہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تذکرہ کیا اور دونوں باپ بیٹے کے مقدس ہاتھوں سے بیت اللہ کی تعمیر ہوئی۔ جب آپ کی عمر سو سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ۱۷۵ سال کی عمر شریف میں ہوئی اور مدینہ الخلیل میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی پیغمبرانہ سیرت کا تذکرہ قرآن مجید میں جا بجا نہایت تفصیل سے مذکور ہے (لغات القرآن - باب الالف)

راہ حق میں اپنی عزیز اولاد کو قربان کر دینے کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کتاب سیرت کا ایک عظیم اور ناقابل فراموش باب ہے۔ آپ نے خواب دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اس خواب کو اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بیان کیا۔ سعادت مند فرزند نے والد بزرگوار کے خواب کو حقیقت سے زیادہ محکم یقین کیا۔ والد و فرزند دونوں یکساں جذبہ تسلیم و رضا کے تحت اس کام کی انجام دہی کے لئے چلے یہاں تک کہ پدر نے پسر کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور نرم و نازک حلقوم پر چھری پھیر دی کرشمہ قدرت رونما ہوا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جنت سے بھیجا گیا ایک دنبہ ذبح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس یادگار کو آنے والوں کے لئے باقی رکھا۔ فرزند کی قربانی عشق الٰہی کا ایک امتحان اور آزمائش تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام محبت رب العالمین میں ثابت قدم رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وجاہت و حسن و خوبی کے جامع دراز قد، دلاویز شخصیت کے مالک تھے بے حد سخاوت کرنے والے، رحم دل، مہمان نواز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اپنے فرشتوں کو بطور مہمان بھیجا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احاطہ نبوت و ارشاد وسیع تر تھا۔ اکثر قدیم و جدید کتابوں میں آپ کی ارشادات و ایجادات کی تفصیل ملتی ہے۔

(س م حاش)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ لا اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ ع

(پھر ابراہیم علیہ السلام نے) کہا تم کو کیا مہم درپیش ہے اے (اللہ تعالیٰ کے) فرستادو! ✱ وہ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ✱ بجز خاندان لوطؑ کے، کہ ہم ان سب کو بچا لیں گے ✱ بجز ان کی بیوی کے ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور پیچھے رہ جانے والوں میں رہے گی۔ (15/57 تا 60 ✱ ت: م)

57۔ (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے (دریافت کیا) کہا، اے فرستادگان (الٰہی) تمہارا آنے کا معاملہ کیا ہے۔ یعنی اس بشارت کے علاوہ اصل سبب تمہارے نازل ہونے کا کیا ہے وہ کیا بڑا کام ہے جس کے لئے تم کو بھیجا گیا ہے۔ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھے تھے کہ متعدد فرشتوں کے آنے کی غرض یہ خوش خبری تو نہیں ہو سکتی بشارت دینے کے لئے ایک ہی کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو ایک ہی فرشتہ نے بشارت دی تھی یا حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے کہ ان کے آنے کی اگر اصل غرض اگر خوش خبری پہنچانی ہوتی تو آتے ہی بشارت سنا دیتے۔ بشارت تو انہوں نے خوف کو دور کرنے کے لئے ذیلی اور ضمنی طور پر دی (شروع ہی تو مہمان بن کر آئے تھے) (تفسیر مظہری۔ ت)

58۔ وہ (فرشتے) بولے کہ بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی وہ لوگ جو جرائم و معاصی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ ان سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مراد ہے ✱ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ مگر لوط علیہ السلام کا خاندان۔ یہ استثناء متصل ہے۔ اس کا مستثنیٰ منہ مجرمین کی ضمیر ہے۔ یعنی ہم (فرشتے) ان سب لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کی قوم سے جرائم اور زیادتیاں کیں سوائے لوط علیہ السلام کے خاندان عالیشان کے۔ لیکن یہاں پر آل سے ان پر ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

59۔ مگر لوط علیہ السلام کے خاندان کو، یعنی ان کی دونوں صاحبزادیوں زاعورا اور ریثاء اور (سارے ایمان لانے اور اطاعت کرنے والوں) کو جو نیکو کار ہیں ہلاکت سے بچا لیں گے (تفسیر حضرت ابن عباسؓ۔ ت)

60۔ مگر اس کی عورت ہم ٹھہرا چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے "اپنے کفر کے سبب" (کنز الایمان و حاشیہ)

لغوی اشارے ✱ خَطْبُكُمْ : تمہاری مہم ، تمہارا معاملہ ، تمہاری خبر ۔ خَطْبُ مضاف كُمْ
ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ● مُجْرِمِیْنَ : اسم فاعل جمع مذکر مجرور و منصوب نکرہ
مجرم واحد ۔ اجرام مصدر ، باب افعال ۔ کافر ، گنہگار ● آل : قوم ، گھر کے لوگ ، متبعین ،
دوست ۔ آل کی اصل کیا ہے اس کے متعلق اہل لغت میں اختلاف ہے ۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ
دراصل اَھْلٌ تھا ۔ اسی بنا پر جب اس کی تصغیر کی جاتی ہے تو اصل کی طرف لوٹا کر اُھَیْلٌ
کہتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک اس میں جو دوسرا لفظ ہے وہ "ہ" کے بدلے میں آیا ہے ۔ صاحب
قاموس کہتے ہیں کہ ہ ہمزہ سے بدل گئی أَأْلٌ ہوا ۔ اب دو ہمزہ ایک ساتھ جمع ہو گئیں لہذا
دوسری ہمزہ کو الف سے بدل لیا آلٌ ہو گیا ۔ دیگر علماء کی رائے ہے کہ یہ دراصل اَوْلٌ تھا
جس کے معنی لوٹنے کے ہیں واو کو الف سے بدل گیا آلٌ ہو گیا ۔ اور جو شخص کہ کسی کی طرف
قرابت اور دوستی میں لوٹے وہ آل سے موسوم ہوا ۔ ابوالحسن بن الباذش نے اسی کو اختیار کیا ہے
اسی بنا پر یونس اس کی تصغیر اُوَیْلٌ بیان کرتے ہیں اور کسائی نے تو اہل عرب سے
صراحتاً اُوَیْلٌ ہی نقل کیا ہے ۔ علاوہ ازیں سیبویہ جو عربیت اور نحو کے امام ہیں
(البحرالمحیط) حروف کی باہمی تبدیلی کے باب میں کہیں یہ ذکر نہیں کرتے کہ ھا ہمزہ سے بدل
جاتی ہے حالانکہ انھوں نے ھرقت ، ھیا ، ھرحت ھیاك کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں ہمزہ
کو ھا سے بدل لیا گیا ہے ۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ دوسرے خیال کی تقویت کی ایک وجہ یہ بھی
ہے کہ آل کی اضافت کسی قابل تعظیم شخص ہی کی طرف ہوتی ہے چنانچہ آل القاضی بولتے ہیں
آل الحجام نہیں بولتے ۔ اس کے برخلاف لفظ اھل کے استعمال میں یہ چیز ملحوظ نہیں ۔۔۔ اسی
طرح بیشتر آل کی اضافت غیر ذوی العقول کی طرف بھی نہیں ہوتی نیز اکثر علماء کے نزدیک ضمیر
کی طرف بھی وہ مضاف نہیں ہوتا ۔ گو بعض علماء ضمیر کے ساتھ اس کے استعمال کو روا رکھتے ہیں
چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے اصحاب الفیل کے قصہ میں چند ابیات کہی تھیں ان میں سے ایک شعر میں
یہ اضافت "آلِ الصلیب" ثابت ہے آل فلاں کا اطلاق کبھی تو صرف آل پر ہوتا ہے اور کبھی
آل اور مضاف الیہ دونوں پر بولا جاتا ہے اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب صرف آلِ فلاں
کہا جائے گا تو اس صورت میں مضاف الیہ بھی اس کے معنی میں داخل ہوگا ۔ مگر یہ کہ کوئی قرینہ
وہاں موجود ہو جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مضاف الیہ مراد نہیں ہے ۔ غرض آل فلاں کا لفظ
فقیر ، مسکین ۔ ایمان اور اسلام ، فسوق اور عصیان کی طرح ہے کہ جب ان میں سے ایک
بولا جائے گا تو دوسرا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہوگا اور جب دونوں ایک ساتھ آئیں گے
تو ایک دوسرے کے مفہوم میں داخل نہیں ہوں گے ۔ (فتح الباری) ● مُنَجُّوْ : اسم فاعل جمع مذکر

مُنَجُّوْ واحد تَنْجِیَۃٌ مصدر (تفعیل) اصل میں مُنَجِّیُوْنَ تھا، نون کو اضافت کی وجہ سے
اور یا کو ثقل کی وجہ سے ساقط کردیا۔ بچانے والے ● اِمْرَاَتَہٗ : اس کی عورت،
اس کی بیوی اِمْرَاَۃٌ مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ● قَدَّرْنَا : جمع
متکلم ماضی معروف۔ تقدیر مصدر۔ ہم نے (ازل میں) حکم دیدیا (راغب) یا مقرر کردیا (تاج)
ہم نے مقدر کردیا تھا ازل میں حکم دیدیا تھا، ہم نے فیصلہ مقرر کردیا (محمود حسن) ● اَلْغٰبِرِیْنَ :
باقی رہنے والے، پیچھے رہ جانے والے، نجات سے رہ جانے والے، ہلاک ہونے والے، اسم فاعل
جمع مذکر منصوب بحالت نصب و جر الغابر واحد۔ محقق عبدالرؤف مصری لکھتے ہیں کہ اصل چیز
کے گزر جانے کے بعد جو چیز باقی رہ جاتی ہے اس کو لغت میں غابر کہتے ہیں اسی لئے غبار اس خاک کو
کہتے ہیں جو قافلے کے گزر جانے کے بعد اڑ کر پیچھے رہ جاتی ہے۔ (لغات القرآن)

معلوماتِ مزید ★ حضرت لوط بن ہاران بن تارح۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آغوش
خلیل ہی میں پروان چڑھے اور ملت ابراہیمی کے سابقون الاولون میں سے تھے۔ آتش نمرود کے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے لئے گلزار بن جانے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حاران کے علاقہ کی طرف
ہجرت کر گئے تھے حاران شمالی شام کا قدیمی شہر تھا پھر وہاں سے فلسطین روانہ ہوئے۔ چند
برس قیام کے بعد مصر روانہ ہوئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ مصر کے قیام کے زمانہ میں حضرت
ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بفضل الٰہی مال و دولت کے انبار لگ گئے تھے
کھیتوں اور مویشیوں کی کثرت ہوگئی تھی بعد ازاں سب کچھ راہ خدا میں نذر کرکے دونوں مصر سے
نکلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کنعان کے علاقہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت لوط علیہ السلام نے
دریائے اردن کی ترائی میں قیام کیا یہ علاقہ انتہائی زرخیز اور شادابی میں بے مثل تھا یہاں سدوم،
عمورہ، اوماد اور زبولیم کی بستیاں آباد تھیں۔ حضرت لوط علیہ السلام سدوم کو دعوت حق اور
تبلیغ دین کا مرکز بنا کر فرائض نبوت انجام دینے لگے۔ یہاں کے لوگ دنیا بھر کی برائیوں، فواحش
اور معصیتوں میں گرفتار تھے سرکشی، تمرد، بداخلاقی و بداطواری میں مبتلا قوم اپنی حرکتوں اور
طور طریق کو عیب یا برائی کے بجائے ہنر و کمال سمجھتی تھی اور اپنی برائیوں کا علی الاعلان
ڈھنڈورا پیٹتی اور اس پر فخر کیا کرتی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کے لوگوں کو ان
برائیوں، گناہوں اور بداخلاقیوں سے روکنے اور اچھی، پاک و صاف زندگی گزارنے
کی ترغیب و ہدایت کا فریضہ پورے استقلال، صبر و تحمل اور نرمی و ملائمت سے جاری رکھا
لیکن بدبخت افراد عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے بجائے اپنی روش پر قائم رہے جس کے
نتیجہ میں عذاب الٰہی میں مبتلا اور ہلاک ہوئے۔ (سہام ح ش)

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ࣙالْمُرْسَلُوْنَ ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا
بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

پس جب آئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے ✶ (آپ نے انہیں دیکھ کر) کہا تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو ✶ (فرشتوں نے) کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ لے آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے ✶ اور ہم لے آئے ہیں آپ کے پاس حق (عذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں۔ (۱۵/ ۶۱ تا ۶۴ ✶ ت: ضیا)

۶۱۔ "تو جب (حضرت) لوط (علیہ السلام) کے گھر فرشتے آئے" خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں اور حضرت لوط علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ قوم ان کے درپے ہو گی۔ (کنز الایمان وحاشیہ)

۶۲۔ تو (حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر) کہا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ (تفسیر حقانی)

● معلوم ہوا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر فرشتہ کو نہ پہچانیں، مگر اس وقت جب کہ وہ وحی لے کر نہ آئے ہوں، وحی کے وقت پہچان ضروری ہے ورنہ کلام مشتبہ ہو جاتا۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ نہ تو تم یہاں کے رہنے والے ہو۔ نہ تم پر علامات سفر سے کوئی معرفت ہے آخر تم کون ہو مسافر یا مقیم۔ (نور العرفان)

● (جب حضرت لوط (علیہ السلام) کے گھر والوں کے پاس فرشتے پہنچے تو (حضرت لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا بلاشبہ تم اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ یعنی میں نے تم کو نہیں پہچانا تم سے مجھے اندیشہ ہے نہ تو تم پر کوئی سفر کی علامت ہے کہ میں تم کو مسافر سمجھوں اور نہ تم اس بستی کے رہنے والے ہو کہیں تمہاری طرف سے مجھے کوئی دکھ پہنچ جائے (مظہری۔ ت)

۶۳۔ فرشتوں نے کہا آپ کچھ خطرہ محسوس نہ کریں ہم آپ کو نقصان پہنچانے یا اضطراب میں ڈالنے کے لئے نہیں آئے بلکہ ہم آپ کے لئے وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں یعنی وہ عذاب جب دیکھ کر آپ (مطمئن) ہوں گے۔ آپ کے دشمن اس میں شک کرتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے۔ (روح البیان۔ ت)

۶۴۔ اور ہم آپ کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے یا حق بات کے ساتھ آئے ہیں اور اگرچہ اس وقت ہم انسانی شکل میں ہیں تم ہم جو بات کر رہے ہیں اس میں بالکل سچے ہیں (اشرف التفاسیر)

لغوی اشارے ✶ الْمُرْسَلُوْنَ: اسم مفعول جمع مذکر مرفوع مرسلٌ واحد بھیجے گئے فرستادہ پیامبر۔ یہاں وہ ملائکہ مراد ہیں جن کو قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ●

مُنْكَرُوْنَ: اسم مفعول جمع مذکر۔ مُنْكَرٌ واحد۔ ناآشنا، شناخت میں نہ آئے ہوئے ● بَلْ: بلکہ
بل کے بعد یا مفرد واقع ہوتا یا جملہ۔ اگر مفرد ہو تو اس صورت میں یہ حرف عطف ہے مگر قرآن مجید
میں اس کے بعد کہیں مفرد نہیں آیا اور اگر جملہ واقع ہو تو حرف اضراب ہے یعنی ماقبل سے اعراض کے
لئے آتا ہے اور تدارک یعنی اصلاح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تدارک کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ
مابعد ماقبل کا ناقض ہو لیکن اس صورت میں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ مابعد کے حکم کی تصحیح سے
ماقبل کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور کبھی اس کے برخلاف ثانی کا ابطال اور ماقبل کی تصحیح منظور ہوتی ہے
● اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ "جب ہماری آیتیں اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے
کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے جو برائیاں کمائی ہیں اس سے ان کے دلوں
پر زنگ لگ گیا ہے۔ (۸۳/۱۳ تا ۱۴) مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید تو اگلوں کی کہانیاں نہیں
بلکہ ان کمبختوں کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ یہاں زنگ کے اثبات سے کہانی ہونے کا ابطال
مقصود ہے۔ اسی طرح ● فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝
پس آدمی کا حال یہ ہے کہ) جب اس کا پروردگار آزماتا ہے اور اس کو عزت و نعمت دیتا ہے تو
وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا اور جب اس کو آزماتا ہے پس اس پر تنگ کرتا ہے
اس کی روزی تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم قدر نہیں کرتے یتیم
کی اور نہ ایک دوسرے کو ترغیب دیتے ہو محتاج کے کھلانے کی۔ اور تم کھا جاتے ہو میراث
کا مال سارا سمیٹ کر اور عزیز رکھتے ہو مال کو جی بھر کر۔ (۸۹/۱۵ تا ۲۰) مطلب یہ ہے کہ
رزق کی فراخی یا تنگی دربار الٰہی میں اکرام یا اہانت کی دلیل نہیں بلکہ یہ پروردگار کی طرف سے
آزمائش ہے۔ مگر بے جا مال کو خرچ کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اس حقیقت کو دل سے بھلا دیا۔
یہاں پر دوسرے امر کا ابطال منظور ہے اور اول کی تصحیح یعنی آزمائش کا اثبات کیا جا رہا ہے
اور روزی کی کشائش یا تنگی کی بنا پر عزت یا اہانت کا ابطال ہو رہا ہے ✱ بل کی دوسری صورت
یہ ہے کہ پہلے حکم کو برقرار رکھ کر اس کے مابعد کو اس حکم پر اور زیادہ کر دیا جائے جیسے ● بَلْ قَالُوْٓا
اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ... بلکہ کہنے لگے یہ تو پریشان خواب
ہیں بلکہ ان کی گھڑت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں ... (۲۱/۵) مطلب یہ ہے کہ ایک تو

قرآن مجید کو (نعوذ باللہ) پریشان خواب کہتے ہیں اور پھر مزید اسے (نعوذ باللہ) گھڑت بتلاتے ہیں اور
اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ (نعوذ باللہ) آپ کو شاعر سمجھتے ہیں ★ قرآن مجید میں بل جہاں بھی
آیا ہے ان ہی دونوں معنی میں سے کسی ایک معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے۔ امام راغب رقمطراز ہیں کہ
"قرآن پاک میں جتنی جگہ بھی بل ہے ان دونوں معنی میں سے کسی ایک معنی کے لئے ہے اگرچہ بعض
جگہ پر کلام دقیق ہے۔" اسی دقت کلام کی بنا پر بعض اکابر علماء نحو سے یہ (فرو گزاشت) ہوگئی کہ
انہوں نے یہ کہہ دیا کہ بل کا استعمال قرآن مجید میں صرف معنی ثانی میں ہوا ہے چنانچہ صاحب بسیط
نے یہی کہا ہے نیز ابن الحاجب نے شرح مفصل میں اور ابن مالک نے الفیہ میں یہی دعویٰ کیا ہے
لیکن علامہ ابن ہشام اور امام سیوطی نے صراحت کے ساتھ اس دعویٰ کو وہم بتایا ہے (اتقان)

● یَسْتَہْزِءُوْنَ : جمع مذکر غائب مضارع۔ وہ ٹھٹھا کرتے ہیں، ٹھٹھے میں پڑے ہوئے ہیں (لغات القرآن)

معلومات مزید ★ جب فرشتے خاندان لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو حضرت لوطؑ نے انہیں
دیکھ کر کہا کہ تم لوگ تو اجنبی قوم کے معلوم ہوتے ہو یعنی تم نہ مسافر نظر آتے ہو کیوں کہ سفر کی کوئی
علامت دکھائی نہیں دیتی اور نہ مقامی۔ اس لئے کہ اس سے پہلے تم یہاں کبھی نظر نہیں آئے اور
نہ کوئی تمہیں یہاں جانتا پہچانتا ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ہم یہاں حق کے
ساتھ آئے ہیں یعنی عذاب الٰہی لے کر آئے ہیں اور اُن لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے نزول عذاب
کے بارے میں شک و شبہ کیا تھا آپ کے انذار کو نظر انداز کر کے انکاری ہو گئے تھے اور اب
انہیں اپنے شک و شبہ اور انکار کی سزا ملنی ہے اور ہم جو کہہ رہے ہیں بلا شبہ بالکل صحیح
کہہ رہے ہیں ہم اپنی بات میں صادق ہیں کہ معصیت، سرکشی، برائی اور فواحش میں
مبتلا قوم کے لوگوں پر شدید، ہلاکت خیز، دردناک عذاب نازل ہوگا۔ حسین و خوش جمال
نوجوانوں کی شکل میں آئے ہوئے فرشتوں نے وضاحت کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام
کو بتا دیا کہ ہم وہ چیز لے کر آپ کے پاس آئے ہیں جس کے متعلق آپ [illegible] برائیوں
اور رذائل اخلاق میں ڈوبی ہوئی قوم کو بار بار بتاتے تھے اور وہ بدبخت بجائے اس کے کہ
آپ کے ارشادات پر توجہ دیتے سنتے اور اس بارے میں غور و فکر کرتے اور اپنے معائب
و معاصی اور فواحش کو چھوڑ دیتے الٹا وہ اسے تسلیم نہیں کرتے تھے آپ انہیں عذاب
سے ڈرایا کرتے اور وہ بدانجام استہزاء کیا کرتے تھے۔ قوم کے بگڑے ہوؤں کو سدھرنے
کے بہت سارے مواقع ملے تھے لیکن ان لوگوں نے اپنی ضد ہٹ دھرمی کے سبب وہ سارے
مواقع گنوا دیئے اب وہ وقت آگیا ہے جب ان پر عذاب الٰہی اترنے کا جو ان کی
تباہی، بربادی، ہلاکت اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا باعث ہوگا۔ (س م ع ش)

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ○ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ○ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ○

تو اپنے گھر والوں کو کچھ رات رہے لے کر باہر جایئے اور آپ ان کے پیچھے چلیے اور تم میں کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے اور جہاں کو حکم ہے سیدھے چلے جایئے * اور ہم نے اسے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا کہ صبح ہوتے ان کافروں کی جڑ کٹ جائے گی * اور شہر والے خوشیاں مناتے آئے۔ (۱۵/۶۵ تا ۶۷ * ت: کنز)

۶۵۔ سو آپ رات کے کسی حصے میں (یہاں سے) چلے جانا اور آپ ان سب کے پیچھے رہنا اور نہ دیکھے پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی * "بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ"۔ پارۂ شب۔ بعض نے کہا آخر شب۔ سب کے پیچھے چلنے سے مراد یہ ہے کہ تم ان کو اپنے آگے آگے تیزی سے نکال لے جاؤ اور ان کے احوال پر مطلع رہو۔ پیچھے پھر کر دیکھنے کی ممانعت اس لئے کی کہ ہولناک عذاب کا منظر ان سے دیکھا نہ جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ان کے دلوں میں نرمی اور رقت پیدا ہو جائے اور اس قلبی ہمدردی کی پاداش میں ان پر بھی وہی عذاب آ جائے

"لَا يَلْتَفِتْ" کا مطلب یہ ہے کہ تم میں کوئی کسی کام کے لئے ساتھ جانے سے رہ جائے ورنہ وہ بھی ضرور عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ بعض نے کہا "التفات" کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ دل کے جھکاؤ کے ساتھ وہ ترکِ وطن کر سکیں۔ (وطن اور احباب و اقارب کی طرف ان کی رغبت خاطر ہی پیدا نہ ہو پائے) بعض علماء کے نزدیک عدم التفات سے مراد لفظی ترجمہ نہیں بلکہ کنائی معنی مراد ہیں یعنی سرپٹ نکل جاؤ، سستی نہ کرو، کہیں دم نہ لو، تیزی کے ساتھ بھاگے چلے جاؤ۔ التفات (رخ کرنے والے کو ادنیٰ وقفہ اتنا وقفہ کہ منہ موڑ کر دیکھ لے) کرنا ہی پڑتا ہے گویا عدم التفات سے مراد ہے وقفہ نہ کرنا، دم نہ لینا، تیزی کے ساتھ بھاگتے چلے جانا۔

اور جہاں جانے کا (اللہ کی طرف سے) تم کو حکم دیا جا رہا ہے وہاں چلے جاؤ * یعنی شام کو چلے جاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ مقاتل کے نزدیک زغر مراد ہے بعض نے اردن کہا ہے (مظہری۔ ت)

۶۶۔ اور ہم نے فیصلہ کیا یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کر فیصلہ کیا ہے اس امر کا بایں طور کہ ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی ہے بلکہ ان کی نسلیں بھی برباد کی جائیں گی۔ یعنی ان لوگوں کو ایسا تباہ

و برباد کیا جائے گا کہ پیچھے سے ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی، یہاں تک کہ ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ مُصْبِحِیْنَ: یہ هٰؤُلَاءِ سے حال ہے یعنی ان کی ہلاکت صبح کے وقت ہوگی یعنی ان کی تباہی و بربادی کا وقت صبح متعین کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ کے دشمن صبح کے وقت تباہ و برباد ہو جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (روح البیان ت)

۶۷۔ اور شہر والے" یعنی شہر سدوم کے رہنے والے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے یہاں خوبصورت نوجوانوں کے آنے کی خبر سن کر برے ارادہ فاسد و نہایت ناپاک" خوشیاں مناتے آئے۔ (کنز الایمان و حاشیہ)

لغوی اشارے ★ **أَسْرِ**: تو رات کو لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے جس کے معنی رات کو لے کر چلنے اور رات کو سفر کرنے کے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● **أَهْلَكَ**: تیرے گھر کے لوگ، تیرے گھر والے۔ أَهْلَ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ● **قِطْعٌ**: واحد، درخت سے کٹا ہوا لکڑی کا ٹکڑا، أَقْطُعٌ، أَقْطَاعٌ اور قِطَاعٌ جمع۔ آخر رات کی تاریکی یا آخر رات کی تاریکی کا ایک حصہ یا اول رات کی تاریکی یا اول رات کا ایک تہائی حصہ اور زمین کے نیچے کا عرق گیر قُطُوعٌ اور أَقْطَاعٌ جمع۔ رات کا آخری حصہ مراد ہے ● **لَيْل**: رات، اسم جنس لَيْلَةٌ مفرد جیسے تَمْرٌ اور تَمْرَةٌ لَيَالِي اور لَيَائِل جمع الجمع غیر قیاسی (قاموس) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لَيْلَةٌ کی اصل لَيْلَاةٌ تھی اس لئے لَيْلَةٌ کی تصغیر لُيَيْلَةٌ آتی ہے (راغب) آخر رات کی تاریکی کی شدت دکھانی ہوتی ہے تو لفظ لَيْل سے صیغہ صفت بنا کر لَيْلٌ لَائِلٌ اور لَيْلٌ أَلْيَلُ اور لَيْلَةٌ لَيْلَاءُ کہا جاتا ہے بہت تاریک رات۔ کبھی لمبی رات کو بھی لَيْلَةٌ لَيْلَاءُ کہتے ہیں ● **اِتَّبِعْ**: تو پیروی کر۔ اِتِّبَاعٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● **أَدْبَارَهُمْ**: ان کے پیچھے۔ ان کی پیٹھیں۔ أَدْبَار مضاف هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب ● **يَلْتَفِتْ**: واحد مذکر غائب نہی اِلْتِفَات مصدر (افتعال) لَفْتٌ مادہ (مجرد از ضرب) پھر کر مڑ کر نہ دیکھے ● **اِمْضُوْا**: تم چلے جاؤ (نَصَرَ ضَرَبَ) مُضِيٌّ سے جس کے معنی گزر جانے اور چلے جانے کے ہیں امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ● **حَيْثُ**: جہاں، جس جگہ ظرف مکان ہے مبنی بر ضمہ ہے۔ مکان مبہم کے لئے آتا ہے جس کی جملہ مابعد سے تشریح ہوتی ہے اور جب ما اس کے بعد آتا ہے تو مجازات یعنی شرط و جزاء کے معنی ہوتے ہیں ● **قَضَيْنَا**: جمع متکلم ماضی معروف۔ قضاء مصدر۔ وحی بھیج کر اطلاع دی تھی، ہم نے قطعی فیصلہ کی اطلاع دے دی تھی، ہم نے حکم بھیجا، وحی بھیجی، موت کا حکم دیا ● **أَمَرَ**: اس نے حکم دیا۔ اس نے فرمایا۔ (نَصَرَ) أَمْرٌ سے جس کے معنی

حکم دیئے گئے ہیں ۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ● اَنَّ : کہ، یہ کہ ۔ اس کی چار صورتیں ہیں ۔ ۱۔
اَنَّ مصدریہ ۲۔ اَنْ مخففہ ۳۔ اَنْ زائدہ اور اَنْ مفسرہ ● دَابِرَ : جڑ، بیخ،
پسماندہ، پچھاڑی، پیچھا ۔ دُبُرٌ سے جس کے معنی پشت پھیرنے کے ہیں ۔ اسم فاعل کا صیغہ واحد
مذکر، ہر ایک چیز کے آخر اور تابع کے معنی میں مستعمل ہے ۔ راغب نے لکھا ہے کہ متاخر اور تابع
کو دابر کہا جاتا ہے خواہ باعتبار مکان ہو یا باعتبار زمان ہو یا باعتبار مرتبہ ● مُصْبِحِيْنَ :
اسم فاعل جمع مذکر منصوب صبح کرنے والے، صبح کرتے کرتے ۔ صبح کا وقت میں داخل ہوتے ہوتے (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ فرشتوں نے کہا ۔ سو آپ اہل کو کچھ رات رہے لے کر باہر چلے جائیے اور آپ
ان کے پیچھے چلئے ۔ تم میں کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں کا تمہیں حکم ہوا ہے ۔
یہاں رات کے ایک حصہ ہی کہا گیا ہے یعنی جب رات کا ایک حصہ گزر جائے ۔ آپ ان کے پیچھے
رہیں یعنی شہر سے نکل کر لے جائیے آپ کا ان کے پیچھے رہنا اس لئے ہے کہ آپ کو ان کے
حالات مکمل طور پر معلوم ہو سکیں یا ان میں سے کوئی چھوٹ جائے یا پیچھے رہ جائے تو آپ کو اس کا پتہ
چل جائے آپ کے پیچھے رہنے سے ایک اہم بات یہ ہوگی کہ کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے گا اور نہ
ہی کوئی غلطی کر سکیں گے ۔ بیان القرآن میں لکھا ہے کہ جب لوط علیہ السلام نے اہل کو روانہ کیا
تو ان کے پیچھے ایک فرشتہ اٹھایا گیا وہی لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کی دلالت کرتا تھا
اور متوجہ نہ ہو تم میں سے اور نہ ان میں سے کوئی ایک تاکہ پیچھے دیکھے کیونکہ ہولناک عذاب سے خطرہ
لاحق ہوتا تھا یا پیچھے دیکھنے سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ چلنے میں کمی واقع نہ ہو اس لئے کہ جو چلتے چلتے
پیچھے دیکھے گا تو لازماً اس کی رفتار دھیمی ہو جائے گی ۔ اور جاؤ جہاں حکم دیئے جاتے ہو یعنی شام
کی طرف، مصر کی جانب یا زغر کی سمت جہاں چاہو ● فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے
واضح طور پر بیان کر دیا کہ ہم اس ناپاک قوم کی تباہی و بربادی اور ہلاکت کے لئے آئے ہیں
صبح ہوتے ہوتے یہ لوگ مستقر عذاب بن گئے اور پوری طرح غارت ہو جائیں گے ● شہر والوں کی آمد
کہ جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں خوش شکل و حسین نوجوان بطور مہمان
آئے ہیں تو وہ اپنے برے ارادوں کے زیر اثر خوشیاں مناتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے مکان
کی طرف بے تحاشا دوڑتے ہوئے رقص کرتے ہوئے آئے یعنی اس بستی سدوم والوں کی لت تھی
جب انہیں پتہ چلا کہ خوبصورت نوجوان حضرت لوط علیہ السلام کے پاس اترے ہیں تو ان کی مسرت
حیوانی و شیطانی کا ٹھکانہ نہ رہا وہ اپنی گندہ عادات کی تسکین کی خاطر مضطربانہ جوش مسرت
سے آپہنچے

(س م ح ش)

قَالَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ ۝ قَالُوٓا
أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِينَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيٓ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ ۝

(لوطؑ نے ان سے) کہا یہ میرے مہمان ہیں سو مجھے رسوا نہ کرو* اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو * وہ کہنے لگے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کی حمایت سے منع نہیں کر دیا ہے * (لوطؑ نے) کہا یہ میری بیٹیاں اگر تمہیں کچھ (نکاح) کرنا ہی ہے (15/ 68 تا 71 *ت: حقانی)

68۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا یہ میرے مہمان ہیں۔ مجھے فضیحت نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کی عزت و اکرام، خاطر تواضع سنت انبیاء ہے اگرچہ میزبان اس سے واقف بھی نہ ہو (نور العرفان)

69۔ پیغمبر خدا حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھانا شروع کیا کہ اللہ سے ڈرو میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ (ابن کثیر۔ ترجمہ)

70۔ وہ کہنے لگے کیا ہم تم کو دنیا بھر کے لوگوں کی (ذمہ داری لینے اور ہمارے معاملے میں دخل دینے) سے منع نہیں کر چکے تھے۔ اَوَلَمْ نَنْهَكَ کا عطف فعل محذوف پر ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا ہم ان کو تمہارے کہنے سے چھوڑ دیں باوجودیکہ ہم نے تم کو منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ تم ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان دخل نہ دو اور ہمارے خلاف کسی کو اپنے پاس پناہ ہی نہ رکھو ہم لوگوں سے جو کچھ چاہتے ہیں کریں گے۔ قوم لوط والے (علاوہ امرد پرستی کرنے کے) راہزن بھی تھے راہگیروں کو لوٹا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام حسب استطاعت اس فعل سے ان کو منع کرتے تھے۔ (مظہری۔ ت)

71۔ فرمایا یہ میری لڑکیاں ہیں یعنی مجھ پر ایمان لانے والوں کی بالغ لڑکیاں موجود ہیں تم ان سے نکاح کر لو۔ (ف) یہ دراصل نہایت عمدہ تھا اس لئے کہ معتقدین کی لڑکیاں اپنی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ قاعدہ ہے ہر نبی علیہ السلام شفقت و تربیت کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے ان کے لڑکے لڑکیاں سب اس کی روحانی اولاد ہوتی ہیں۔ یا بنات سے لوط علیہ السلام کی اپنی حقیقی لڑکیاں مراد لی جائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ اے بدبختو اگر تم واقعی اپنی ہوس رانی ہی چاہتے ہو تو میری لڑکیوں سے نکاح کر لو لیکن میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہو۔

(ف) حضرت لوط علیہ السلام نے یہ پیشکش اس لئے فرمائی کہ وہ لوگ قبل ازیں حضرت لوط علیہ السلام سے آپ کی لڑکیوں کا رشتہ مانگتے تھے مگر آپ نے انکار کر دیا تھا ان کی خباثت کی وجہ سے اور دیگر آپ کے قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ان کا نکاح آپ کی صاحبزادیوں

سے نہیں ہو سکتا تھا، بوجہ ان کے کفر کے بلکہ پہلی شریعتوں میں کافروں سے رشتہ ناطہ جائز تھا۔ (ف) حضرت لوط علیہ السلام کی مہمان نوازی اور ایثار کی داد دیجئے کہ آپ مہمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اپنی لڑکیاں بھی (ان سے نکاح میں دے کر) حوالے کرنے کو تیار ہو گئے۔ (ف) بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سرداروں سے دو بڑے سرغنے تھے۔ ان دونوں کی بات ان سب کے نزدیک حرف آخر سمجھی جاتی تھی حضرت لوط علیہ السلام نے خیال فرمایا تھا کہ اپنی صاحبزادیوں کا رشتہ ان دونوں کے ساتھ کر دیتے تاکہ مہمانوں کی عزت بچ جائے * اگر تم خواہش مند ہو تو جائز طریق سے کرو یعنی وہ طریقہ اختیار کرو جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے * مہمان نوازی، مرحبا یہ وہی انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت ہے یہ بھی ذکر جمیل کے اسباب میں داخل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے نماز ادا کی، زکوٰۃ دی اور رمضان کا روزہ رکھا اور مہمان نوازی کی تو وہ بہشت میں داخل ہوگا (کما فی الترغیب) ہر مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ امکانی صورت میں برائی کا انسداد کرے۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام لواطت کو روکنے کے لئے اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ حضرت آپ کی برادری کے بھی نہیں تھے آپ کا آبائی وطن فلسطین اور عراق تھا ہجرت کر کے آئے تھے۔ (روح البیان)

لغوی اشارے * تُفْضَحُوْنِ: تم مجھے رسوا کرو، تم مجھے فضیحت کرو (فتح) تفضحوا فَضْحٌ سے جس کے معنی رسوا کرنے کے ہیں۔ مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر، نون وقایہ ضمیر واحد متکلم محذوف ہے چونکہ لائے نہی موجود ہے اس لئے فعل نہی ہے ● تُخْزُوْنِ: تم مجھے رسوا نہ کرو۔ تخزون اِخْزَاءٌ سے مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم تحریر میں محذوف ہے ● نَنْهَكَ ننہ اصل میں ننہی تھا جمع متکلم مضارع نَہْیٌ مصدر (فتح) (کیا) ہم نے تجھے منع نہیں کر دیا تھا یعنی سارے جہاں کی حمایت سے یا اپنے گھر کسی مہمان کو ٹھہرانے سے ● بَنٰتِیْ: میری بیٹیاں۔ بنات مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ۔ یہاں بیٹیوں سے مراد صلبی بیٹیاں مراد ہیں یا امت کی عورتیں اس بارے میں دو قول ہیں بعض کا خیال ہے کہ ان کی حقیقی بیٹیاں مراد ہیں اس وقت میں کافر سے بیاہ دینا منع نہ تھا۔ اور حضرت لوط علیہ السلام نے یہ بات اپنی قوم کے سرداروں اور رئیسوں سے کہی تھی، پوری بستی کو وہ مخاطب نہ تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ چند لڑکیاں جم غفیر کو پیش نہیں کی جا سکتی تھیں لیکن صحیح یہ ہے کہ "بیٹیوں" سے مراد ان کی امت کی عورتیں ہیں اور ان کو بیٹی اس لئے کہا گیا کہ ہر نبی اپنی امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے بلکہ باپ سے بھی زیادہ، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس تاویل کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ صرف چند اشخاص ہی کو مخاطب قرار دیا ہے بلکہ ظاہر سیاق قرآن کے مطابق پوری قوم سمجھی جائے گی ● فَاعِلِیْنَ: اسم فاعل جمع مذکر (حالت نصب) فاعِلٌ واحد کرنے والے۔ یہاں جو یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد

1457

نکاح کرنے والے (سیوطی) یا ضیافت میں مشغول کرنے والے (معجم القرآن) (لغات القرآن)

معلومات مزید * جیسا کہ ضیف کے تحت تفاسیر میں مذکور ہوا کہ مہمان کا اکرام، خاطر تواضع سنت انبیاء ہے۔ اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ملتا ہے: فرمایا: جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا احترام کرے۔ اس کی مہمانی ایک دن رات ہے اور دعوت تین دن ہے اور اس کے بعد وہ صدقہ ہے۔ مہمان کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتیٰ کہ اسے تنگ کر دے (بخاری، مسلم بروایت حضرت ابو شریح کعبیؓ) مراۃ المناجیح میں لکھا ہے کہ ہمارا مہمان وہ ہے جو ہم سے ملاقات کے لئے باہر سے آئے خواہ اس سے ہماری واقفیت پہلے سے ہو یا نہ ہو۔ جو ہمارے اپنے محلہ یا اپنے ہی شہر میں ہم سے ملنے آئے دو چار منٹ کے لئے وہ ملاقاتی ہے مہمان نہیں۔ ملاقاتی کی خاطر تو کی جائے مگر اس کی دعوت نہیں ہے۔ اور جو ناواقف شخص اپنے کام کے لئے ہمارے پاس آئے وہ مہمان نہیں جیسے حاکم اور مفتی کے پاس مقدمہ والے یا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں یہ حاکم یا مفتی کے مہمان نہیں۔ حدیث شریف میں جائزۃ آیا ہے اسی بنا پر حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ مہمان کو ایک شب کھانا کھلانا واجب ہے اگر نہ کھلائے تو گنہگار ہوگا۔ جائزہ کے معنی ہیں عطیہ۔ ہدیہ یعنی مہمان کا مضبوط اور پختہ حق۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "مہمان" کو یہ حلال نہیں کہ اس کے پاس ٹھہرا رہے حتیٰ کہ اسے تنگ کر دے" اس سلسلہ میں یہ پہلو اہم ہے کہ اگر صاحبِ خانہ "میزبان" خود ہی بخوشی روک لے تو رک جانے میں حرج نہیں لیکن اگر میزبان پر تنگی ہو اور مہمان ڈٹا رہے تو یہ بے غیرتی بھی ہے اور مسلمان کو تنگ کرنا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابو الاحوص جشمی کہتے ہیں کہ ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا "یا رسول اللہ فرمائیے کہ اگر میں کسی شخص پر گزروں تو نہ وہ میری مہمانی کرے اور نہ مجھے دعوت دے پھر وہ مجھ پر اس کے بعد گزرے تو میں اسے مہمان بناؤں یا بدلہ لوں۔" تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل سے ارشاد فرمایا "بلکہ مہمان بناؤ۔" (ترمذی)

اس کی شرح میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر اس نے تمہارے ساتھ بے مروتی کی ہے تو تم اس سے بے مروتی نہ کرو۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو اس کو حق مہمانی دو * حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سنت سے ہے انسان اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے۔ (ابن ماجہ اور بیہقی شعب الایمان) میں اس کی تشریح کے ضمن میں لکھا ہے کہ مہمان یا ملاقاتی کو دروازے تک پہنچانے میں اس کا اکرام ہے اور پڑوسیوں کا اطمینان کہ وہ جان لیں گے کہ ان کا عزیز یا دوست آیا ہے کوئی اجنبی نہیں آیا تھا۔

(س م ح ش)

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝

آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مدہوشی میں بالکل بھٹکے ہوئے تھے * پس سورج نکلتے نکلتے ایک سخت آواز نے پکڑ لیا * پھر ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسا دیئے۔ (15/72تا74 * ت: م)

ف: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ درحقیقت اپنے نشہ میں سرمست ہیں۔ عَمْر اور عُمُر ہم معنی ہیں۔ عَمْر کا لفظ خفیف بھی ہے اور قسم کے موقع پر یہی لفظ بولا جاتا ہے (عُمُر کا لفظ قسم کے موقع پر نہیں آتا) بغوی نے ابوالجوزاء کی وساطت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز اللہ تعالیٰ نے کسی اور کی جان پیدا نہیں کی اور آپ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم (ارشاد) نہیں فرمائی۔ عزیز ترین چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔ تمام جانوں میں حضور کی جان اللہ کے نزدیک عزیز (ہے اسی لئے) اسی کی قسم (ارشاد فرمائی) يَعْمَهُوْنَ کا معنی ہے سرگرداں ہیں، متحیر ہیں یعنی جب کافر اپنے نشے میں سرمست ہیں تو آپ کی نصیحت کیسے سن سکتے ہیں، یا یہ کلام ملائکہ کا ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کو خطاب کر کے الغرض نے کہا تھا مطلب یہ ہے کہ اے لوط (علیہ السلام) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ اپنے نشہ میں ہیں (تمہاری نصیحت نہیں سنیں گے۔) یا اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی ہے اور اللہ نے قوم لوط کی حالت بیان کی ہے۔ (مطلب اس طرح ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی زندگی کی قسم قوم لوط درحقیقت اپنے نشہ میں مست تھی اور لوط (علیہ السلام) کی نصیحت نہیں سن سکتے تھے۔ مترجم) (مظہری ت)

- (اے محبوب!) "تمہاری جان کی قسم"۔ مخلوقِ الٰہی میں سے کوئی جان بارگاہِ الٰہی میں آپ کی جان پاک کی طرح عزت و حرمت نہیں رکھتی اور اللہ تعالیٰ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے سوا کسی کی عمر و حیات کی قسم نہیں فرمائی (کنزالایمان وحاشیہ)
- علامہ قرطبی لکھتے ہیں هذا نهاية التعظيم وغاية البر والتشريف کہ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم اٹھانا تعظیم و تکریم کی انتہا ہے اصل میں یہ لفظ عمر (یعنی "ع"

پر ضمہ) تھا لیکن کثرت استعمال کے سبب مفتوح کر دیا گیا۔

۷۳۔ رات کی تاریکی میں حضرت لوط علیہ السلام اپنے کنبہ کو لے کر بستی سے چلے گئے۔ اب یہ بستی اس پاک نفس بندہ خدا سے بھی خالی ہو گئی۔ یہاں صرف ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن اپنے اعمال و اطوار کے لحاظ سے ان میں انسانیت کا کوئی نشان نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے تو وہ اتنے گرے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے گھر میں بھی دخل اندازی کرنے اور اس کے مہمانوں پر دست درازی کرنے سے بھی انہیں شرم نہیں آتی تھی اور ایسا فعل جس کے ذکر سے بھی عقل سلیم کو نفرت ہے وہ اس کا ارتکاب چوری چھپے نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ سے کیا کرتے تھے اکیلے ہی نہیں بلکہ مجمع عام میں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قوم کے اخلاقی انحطاط کا جو رذیل ترین ہو سکے ارتکاب۔ یا اتنی دیدہ دلیر ہو اور جس میں شرم و حیا کی بو باس تک بھی نہ ہو یقیناً وہ اس قابل تھی کہ اس کو اس زبردست عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا (ضیاء القرآن)

۷۴۔ پس ہم نے ان بستیوں کے بالائی حصے کو نیچے کر دیا۔ یعنی ان کا ستیاناس زیر و زبر کر دیں اس کی صورت یہ ہوئی کہ بستیوں کو زمین سمیت آسمان پر لے جایا گیا جونہی وہ آسمان کے قریب پہنچیں تو انہیں الٹ دیا گیا * عالیھا جعلنا کا مفعول اول اور سافلھا مفعول ثانی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ ہولناک ہے بہ نسبت انہیں اسی حالت میں اوپر سے نیچے گرانے کے۔ بستیوں کو الٹنے سے پہلے عذاب کو بڑھانے کی خاطر ہم نے ان کے اوپر برسائے حجارۃ پتھر من سجیل کنکروں کی شکل میں۔ یعنی پتھروں کو تاروں سے ہی تو زیادہ گر بختہ کر کے ان پر بارش کی طرح پھینکے گئے۔ یا یہ معنی ان پر دو قسم کے عذاب نازل ہوئے زمین دھنسا اور پتھروں سے مارا جانا *(ف م) قاموس میں ہے السجیل بروزن السکیت، وہ پتھر جو مٹی کے ڈھیلوں کی طرح ہوں۔ سنگ گل کا معرب ہے۔ ایک قسم کا کچا پتھر۔ یا اس سے مٹی کے وہ روڑے مراد ہیں جنہیں جہنم کی آگ میں پکایا گیا اور ان میں ہر ایک پر قوم لوط کے ایک ایک کافر کا نام لکھا گیا یا من سجیل۔ السجیل ما کتب لھم سے ہے یعنی ان کے لئے لکھا جا چکا تھا کہ وہ اس قسم کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ما ادراک ما سجین کتاب مرقوم" "تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ اس تقریر پر السجیل بمعنی السجین ہوگا۔ (ف) ازہری نے فرمایا میرے نزدیک یہ تمام توجیہات سے صحیح اور واضح تر ہے۔ (ف) کواشی نے لکھا کہ ہم نے ان پر اوپر سے برسائے جو ان کے لائق ہوتے تھے یعنی جو افراد شہروں میں موجود نہ تھے ان کو کنکروں سے عذاب دیا گیا (المعالم الباب...)

لغوی اشارے * عُمرُکَ : تیری عمر، تیری زندگی عُمُر مضاف کَ ضمیر مذکر حاضر مضاف الیہ۔

سَکَرًا : جس چیز کا نشہ ہو، نبیذ۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: "سلف نے سکر کی تاویل میں
اختلاف کیا ہے چنانچہ حسن اور سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ کھجور اور انگور کی جو چیز حرام ہو چکی ہے سکر ہے
اور جو چیز اس میں حلال ہے "رزق حسن" ہے۔ ابراہیم، شعبی اور ابو رزین سے روایت ہے کہ سکر خمر ہے
اور جریر نے عبداللہ بن مسعود سے بھی بروایت مغیرہ بن ابراہیم یہی روایت کیا ہے اور ابن شبرمہ
ابو زرعہ بن عمرو بن جریر سے راوی ہیں کہ سکر شراب خمر ہے اور ان حضرات نے کہا ہے کہ اس کی
اباحت تحریم خمر سے منسوخ ہو چکی ہے۔ سَکْرَتِهِمْ : ان کی مستی، ان کا نشہ، بدحواسی۔ سکرۃ
مضاف، ھم ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ● یَعْمَهُوْنَ : جمع مذکر غائب مضارع
عَمَهٌ مصدر (فتح و سمع) وہ سرگرداں پھرتے رہے۔ وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ عَمَهٌ سرگردانی
گمراہی میں حیرانی۔ عَمِهٌ اور عَامِهٌ سرگرداں، حیران، متردد۔ ● صَیْحَةٌ : چیخ، چنگھاڑ
کڑک، ہولناک آواز، نعرہ۔ یہ صَاحَ یَصِیْحُ کا مصدر ہے اور بمعنی حاصل مصدر بھی آتا ہے
علامہ سلیمان جمل، شیخ سمین سے ناقل ہیں۔ صَیْحَةٌ بروزن فَعْلَةٌ۔ یہ صیاح کے ایک بار
وقوع میں آنے کو کہا جاتا ہے اور صیاح صوت شدید (سخت عذاب) کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے صاح
یصیح صیاحًا یعنی زور سے چیخا (الجمل علی الجلالین) اصل میں لکڑی کے چرنے یا کپڑے کے پھٹنے
سے جو زور سے چرانے کی آواز پیدا ہوتی ہے اس آواز کے نکلنے کو "الصیاح" کہتے ہیں صیحہ اسی
سے اور چونکہ زور کی آواز سے آدمی گھبرا اٹھتا ہے اس لیے بمعنی گھبراہٹ اور عذاب کے بھی اس کا استعمال
ہوتا ہے ● مُشْرِقِیْنَ : اسم فاعل جمع مذکر منصوب مُشْرِقٌ واحد اِشْرَاقٌ مصدر باب افعال
صبح کرتے کرتے روشنی ہوتے ہوتے ● عَالِیَهَا : اس کا اوپر، اس کا بالا۔ یہاں عالی کا استعمال
سافل کے مقابلہ میں ہے اور قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کا بیان ہے لہٰذا ترجمہ یوں ہوگا زمین کا بالائی طبقہ
عالی عُلُوٌّ سے بمعنی بلند تر ہونے کے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر مضاف، ھا ضمیر واحد مونث
غائب مضاف الیہ ● سَافِلَهَا : اس کے نیچے، اس کے تلے۔ سافل سُفُوْلٌ سے اسم فاعل کا
صیغہ واحد مذکر مضاف ھا ضمیر واحد مونث غائب مضاف الیہ ● اَمْطَرْنَا : ہم نے برسایا،
اِمْطَارٌ سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ● حِجَارَةً : پتھر حجر کی جمع ● سِجِّیْل : کنکر۔ یہ دو
فارسی کا سنگ و گل ہے جو عربی میں آکر سجیل بن گیا فریابی نے مجاہد سے یہی نقل کیا ہے۔ (لغات القرآن)

معلومات مزید * (فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا) تمہاری زندگی کی قسم۔ یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں
کھوئے ہوئے ہیں (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں۔ ترجمان) ● سو ان (قوم لوط جو بدترین گناہوں میں مبتلا تھی)
کو سورج نکلتے نکلتے چیخ ہوتے ہوتے عذاب نے آ پکڑا ● پھر تو ہم نے ان بستیوں (جہاں
قوم لوط کی سکونت تھی) کو زیر و زبر کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔ (ص م ح ش)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ۝ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ۝
فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝

بے شک اس واقعہ میں (عبرت) کی نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لئے * اور بے شک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے * یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لئے * بے شک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے * پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں۔ (15/75 تا 79 * ت: ض)

75۔ اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "مُتَوَسِّمِيْنَ" کا ترجمہ کیا ہے۔ دیکھنے والے، مجاہد نے کہا شناخت کرنے والے۔ قتادہ نے کہا عبرت حاصل کرنے والے۔ مقاتل نے کہا غور کرنے والے۔ مفسرؒ نے کہا وَسْم کا معنی ہے اثر کرنا، نشان پیدا کرنا اور سِمَۃ کا معنی ہے اثر، نشان یعنی جو لوگ ظاہر علامات و آثار کو دیکھ کر اندرونی نتائج و معانی کی شناخت کرنے والے ہیں ان کے لئے اس واقعہ میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں (مظہری۔ ت)

76۔ قوم لوط کی بستیاں قریش کے راستہ میں ہیں جب کہ وہ شام کو جاتے تھے وہ راستے ابھی پرانے اور معدوم نہیں ہوئے۔ (جلالین۔ ت)

● یہ بستی شارع عام پر موجود ہے۔ جب یہ ظاہری اور باطنی عذاب آیا، الٹ گئی، پتھر کھا کے عذاب کا نشان بنی۔ اب ایک گندے اور بدمزہ کھاری کی جھیل سی بنی پڑی ہے * سدوم کی آبادی مراد ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی یہ اردن کی وہ جانب ہے جہاں آج بحر میت یا بحر لوط واقع ہے سدوم اور عامورہ کی بستیاں یہیں آباد تھیں۔ مستشرقین نے لکھا ہے کہ جب قوم لوط پر عذاب آیا تو زمین تقریباً ... میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا تب سے اس سمندر کا نام بحر میت یا بحر لوط ہے۔ پچھلے دنوں (یورپی) سیاحوں کی ایک جماعت اس سمندر میں نہانے کے لئے گئی تو ان کے بدن سیاہ پڑ گئے اور تمام بدن میں ایک سوزش پھیل گئی گویا کہ عذاب کے آثار اب تک موجود ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر۔ ت مع حاشیہ)

77۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور دین، عقل و فراست اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بڑی نعمت ہے کہ اس سے تقویٰ و طہارت نصیب ہوتی ہے۔ بے عقل، غافل، کافر ایسے واقعات کو اتفاقی یا آسمانی تاثیرات سے مانتا ہے مگر عاقل، مومن ان کو مخلوق کی بد عملی کا نتیجہ جان کر رب کا خوف

دل میں پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ آج بھی دیکھا جا رہا ہے۔ (نور العرفان)

۷۸۔ بے شک حضرت شعیب علیہ السلام کی دونوں قومیں ایکہ اور مدین تو اپنی قریبی زمانہ میں گزری ہیں اور ان کی یہ دونوں بستیاں بھی مدینہ منورہ سے فلسطین کے راستے پر قریب ہی ہیں بے شک اصحاب ایکہ یعنی جھاڑیوں والے شرک، کفر اور کم تولنے والی خیانتوں بے ایمانیوں کے کیسے ظلم کئے حضرت شعیب علیہ السلام نے (ان ظالموں کو) کس کس طریقے سے سمجھایا نیک بنایا، دیانت دار مومن بننے کو کہا بجز چند افراد کے سب ہی ظالم بنے رہے۔ (اشرف التفاسیر)

۷۹۔ پس ہم نے یوم الظلۃ میں عذاب بھیج کر ان سے بدلہ لیا۔ (ف) تبیان میں لکھا ہے کہ مدین والوں کو صیحہ اور ایکہ والوں کو نار کے عذاب میں مبتلا کیا گیا وہ اس طرح کہ ان پر سات دن مسلسل گرم ہوا چلتی رہی اس کی گرمی سے تنگ آ کر گھروں سے نکل کر درختوں کے سائے میں پناہ گزیں ہو گئے جب سب کے سب درختوں کے تلے جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی ہوا بھیجی جس سے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے۔ (ف) بعض تفاسیر میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیجا۔ انہوں نے سمجھا یہ بادل بارش برسانے والا ہے وہ بارش کی امید میں تھے کہ اس سے انگارے برسے جس سے وہ جل کر راکھ ہو گئے۔ اسی لئے اس عذاب کو عذاب یوم الظلۃ سے تعبیر کرتے ہیں *

اور وہ دونوں یعنی قوم لوط کا مرکزی شہر سدوم اور ایکہ کھلے راستہ پر واقع ہیں کہ وہ ایسے شارع عام ہیں کہ جہاں سے ہر خاص و عام کا ہر وقت گزر ہوتا اور انہیں ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں (روح البیان ج)

لغوی اشارے *

المتوسمین : اسم فاعل جمع مذکر مجرور۔ المتوسم مفرد۔ اہل فراست، دیکھنے والے، علامت دیکھ کر شناخت کرنے والے۔ توسّم مصدر (باب تفعّل) توسّم کا معنی ہے علامات دیکھ کر شناخت کر لینا۔ توسم کا معنی نشان دار بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں "الشیخ المتوسم" بھی آیا ہے یعنی وہ بوڑھا جو علامات پیری سے آراستہ ہو۔ اس کا مادہ "وسم" ہے بصورت مصدر وَسْمٌ کا معنی ہے نشان دار کرنا (راغب) اور بصورت اسم وَسْمٌ اور سِمَةٌ نشان کو کہتے ہیں۔ ● سَبِیْل : راستہ، راہ۔ سبیل اصل میں اس راہ کو کہتے ہیں جو واضح ہو اور اس میں سہولت ہو۔ امام راغب لکھتے ہیں سبیل کا استعمال ہر اس شے کے لئے ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ کسی شے تک پہنچا جا سکے خواہ وہ شے شر ہو یا خیر، نیز واضح راستہ بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی، ابن الاثیر نے کہا ہے کہ اس کی تانیث زیادہ غالب ہے (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر) ● مُّقِیْم : اسم فاعل واحد مذکر مجرور، اقامۃ مصدر۔ مستقیم سیدھا، دائمی لازوال ● اِنْتَقَمْنَا : ہم نے سزا دی انتقام سے ماضی کا صیغہ جمع متکلم ● اِمَامٍ مُّبِیْنٍ : کھلا راستہ، کھلی اصل

اِمَام اس کو کہتے ہیں جس کا قصد کیا جائے اور مبین کے معنی واضح اور کھلے ہوئے کے ہیں۔ چونکہ راستہ کا قصد کیا جاتا ہے اور قیامت میں صحائف اعمال کی پیروی کی جائے گی یعنی جیسا ان میں تحریر ہوگا اسی کے مطابق سزا جزا ہوگی۔ اسی طرح لوح محفوظ میں جو کچھ مرقوم ہوتا ہے اسی کے مطابق ظہور پذیر ہوتا ہے گویا ہر شے اپنے وجود میں اسی کی پیروی ہوتی ہے اس لئے قرآن مجید نے راستہ اور صحیفہ اعمال یا لوح محفوظ کے لئے امام کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ سورہ حجر میں ارشاد ہے "وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ" (اور وہ دونوں (یعنی قوم لوط اور اصحاب الایکہ) کھلے راستے پر واقع ہیں) یہاں امام مبین یعنی کھلا راستہ قدیم شاہراہ کو کہا گیا ہے جو عرب کے جغرافیہ میں یمن سے شروع ہو کر سواحل بحر احمر کے کنارہ کنارہ حجاز و مدین سے ہوتی ہوئی خلیج عقبہ کے کنارہ سے نکل کر تیماء وغیرہ کو قطع کرتی ہوئی جاتی ہے۔ قدیم جغرافیوں میں اس شاہراہ کا تذکرہ ملتا ہے قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب اور رقیم کی بستیاں اسی شاہراہ پر حجاز و شام کے درمیان واقع تھیں یہی وہ شاہراہ ہے جو اگلے زمانے میں ہندوستان، یمن اور مصر و شام کے سفر کا تنہا راستہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلہ صیف (موسم گرما) اور شتاء (موسم سرما) دونوں زمانوں میں اسی راہ سے گزرتے تھے

معلومات مزید ✱ ایکہ بمعنی، گھنا جنگل، درختوں کا جھنڈ۔ یہ یا تو شہر کا نام ہے یا بن کا جس کے اصحاب الایکہ اس مقام پر بستے تھے اس لئے اس کی طرف منسوب ہوئے۔ نافع، ابن کثیر اور ابن عامر نے سورہ شعراء اور ص میں لَيْكَة غیر منصرف پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکہ بمعنی بن کے نہیں بلکہ اس مقام کا نام ہے۔ لغات القرآن میں مرقوم ہے کہ ابو عبیدہ نے تصریح کی ہے کہ مکہ اور بکہ کی طرح لیکہ خاص شہر کا نام ہے اور ایکہ تمام ملک کا (البحر المحیط) صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ شعراء میں مذکور ہے کہ لیکۃ اور ایکۃ، ایکہ کی جمع ہے جس کے معنی درختوں کے جھنڈ کے ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی اس کے متعلق رقمطراز ہیں کہ "بخاری کے نسخوں میں ایسا ہی ہے اور یہ صحیح نہیں۔ اس طرح کہنا درست ہے کہ لیکۃ اور ایکہ ایک کا مفرد ہے یا یوں کہا جائے کہ اس کی جمع الایک ہے (عمدۃ القاری) اسی طرح مجدالدین فیروز آبادی نے قاموس میں تصریح کی ہے کہ یہ بمنزلہ وہم ہے ● اصحاب ایکہ چونکہ ظلم و زیادتی کے عادی اور نہایت سرکش تھے شرک اور اصنام پرستی کے علاوہ ڈنڈی مارنے اور کم تولنے کا ان میں رواج تھا ان میں خرابیوں کی اصلاح کے لئے ان کے درمیان حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے لیکن ایکہ والوں نے ان کی ایک بات نہ سنی لہذا بالآخر عذاب الٰہی سے ہلاک ہو گئے یعنی ان کے ظلم اور سرکشی کی سزا ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مدین اور ایکہ دو امتیں ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ (مسلم شریف)

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا
مُعْرِضِيْنَ ۙ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝

اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا * اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے منہ پھیرے رہے * اور وہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے بے خوف ۔

(۱۵/۸۰ تا ۸۲ * ت : کنز)

۸۰ ۔ اور حجر والوں نے بلاشبہ پیغمبروں (کی تکذیب کی) یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی اور ان پیغمبروں کی تکذیب کی جن کو حضرت صالح علیہ السلام نے سچا بتایا ۔ اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی ۔ (مظہری ۔ ث)

۸۱ ۔ اور دیں ہم نے قوم حجر کو بہت سی اپنی قدرت کی آیتیں یا اس طرح کہ چونکہ ان کو اپنی تعمیر سازی پر ناز تھا کہ پتھر سے بڑے بڑے مکان پہاڑوں کے اندر ہی اندر کھود کے بناتے چلے جاتے تھے اور دیگر بڑے بڑے جانور تراشتے تھے تو ہم نے صالح علیہ السلام کو پتھر ہی کا معجزہ عطا فرمایا کہ اس سے ایک اونٹنی حاملہ دوڑتی نکل آئی جس میں ہماری قدرت کی پانچ نشانیاں تھیں ۔ پہلی یہ کہ وہ بہت بڑی کہ آج تک اور تا قیامت اتنا بڑا کوئی جانور پیدا نہ ہوا نہ ہوگا ۔ دوسری نشانی یہ کہ اونٹنی نے نکلتے ہی بہت بڑا بچہ دیا اور وہ دو دن بعد پہاڑوں ہی میں روپوش ہو گیا ۔ روایتوں میں ہے کہ قیامت کے قریب وہ "دَآبَّةُ الارض" کے نام سے نکلے گا ۔ تیسری نشانی یہ کہ پہاڑ سے نکلنا کہ بہت بڑی چٹان پھٹی اس میں اونٹنی چیختی چلاتی نکل آئی چٹان پھر کافی دیر کے بعد اسی طرح بند ہو گئی ۔ چوتھی یہ کہ وہ اونٹنی بستی کا سارا پانی پی جاتی تھی اور ایک دن چھوڑ کر ایک دن پیتی تھی اور کھاتی کچھ نہ تھی ۔ پانچویں نشانی یہ کہ ہر روز وہ دودھ اتنا دیتی تھی کہ بستی کے ہزاروں انسانوں کو کافی سے زیادہ ہوتا تھا ۔ یا آیتوں سے مراد صالح علیہ السلام کے دیگر معجزات ہیں جن کا ذکر نہ ہوا ۔ یا آیتوں سے قدرت کے عجائبات زمینی و آسمانی ہیں یا آیتوں سے مراد وحی الٰہی کا وہ صحیفہ ہے جو حضرت صالح علیہ السلام پر نازل ہوا تھا ۔ (اشرف التفاسیر)

۸۲ ۔ اور تراشتے تھے ۔ النحت بمعنی تراشنا ۔ پہاڑوں سے الجبال ، جبل کی جمع ہے بمعنی پہاڑ ۔ ہماری زبان میں کوہ ۔ (ف) قاموس میں ہے "الجبل محرکۃ" (بفتحتین) بمعنی وہ موٹی اور لمبی میخ جو زمین میں گاڑی جائے اگر ایک ہی ہو تو اسے اکمۃ یا قنۃ کہتے ہیں زیادہ ملی جلی ہوں تو انہیں جبل کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے پہاڑ کو جبل سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

"بیوتا" بیت کی جمع ہے اس جگہ کا نام جو مسقف ہو اور جس کے داخل ہونے کا ایک مقام ہو

اور وہ رات بسر کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کی دیواریں چار ہوں یا تین۔ اور "الدار" وہ خالی میدان جو بلا لحاظ بنا کے ہو۔ "آمنین" درانحالیکہ وہ انہدام اور چوروں کے نقب اور تخریب اعداء سے محفوظ تھے کیوں کہ وہ مضبوط طریقہ سے تیار کئے گئے تھے یہ حال مقدرہ ہے یا یہ کہ وہ وقت آخرت غافل تھے لیکن عذاب و حوادث سے محفوظ تھے (روح البیان)

لغوی اشارے ✶ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ : حجر والے۔ حجر کے رہنے والے اصحاب مضاف الحجر مضاف الیہ۔ تمام مفسرین اور مؤرخین سلفاً و خلفاً اس پر متفق ہیں کہ اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہے۔ ● مُعْرِضِیْنَ : اسم فاعل جمع مذکر منصوب مجرور، اعراض مصدر باب افعال رخ، منہ موڑنے والے، اجتناب کرنے والے ● یَنْحِتُوْنَ : جمع مذکر غائب مضارع نحت مصدر (ضرب) وہ تراشتے تھے، تراش کر بناتے تھے (لغات القرآن)

معلومات مزید ✶ اصحاب الحجر: مدینہ منورہ اور شام کے درمیان فروکش عرب کا قدیم لوگ تھے جن کو قوم ثمود کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے جبل عرب کے زرخیز خطے میں آباد تھے بعد میں شام کے ایک ایسے حصہ میں جا بسے جو مدینہ کے راستہ میں واقع وادی حجر سے موسوم ہے قوم عاد کی طرح ثمود والے بھی دراز قد، مضبوط جسامت اور طاقت و قوت میں بے نظیر تھے وہ پہاڑوں کے غاروں میں رہتے تھے اور بڑی بڑی چٹانوں کو تراش کر اپنے گھر بنا لیا کرتے تھے جامع التواریخ میں ہے کہ قوم ثمود درحقیقت ثمود بن [illegible] بن ارام بن سام بن نوح علیہ السلام کے قبیلہ کا نام ہے۔ ان کی ہدایت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے (م م ع) لفظ ثمود کو بعض عجمی بتاتے ہیں اور بعض عربی اور چونکہ یہ قبیلہ کا نام ہے اس لئے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ عربی ہونے کی صورت میں یہ ثَمَد سے مشتق ہے بر وزن فَعُوْلٌ۔ ثمد بارش کے اس تھوڑے پانی کو کہتے ہیں جو گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے سردی میں باقی رہتا ہے اور گرمی میں سوکھ جاتا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء امام لغت کہتے ہیں کہ چونکہ اس قوم میں پانی کی کمی تھی اس لئے وہ ثمود کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کی آبادیاں حجر میں حجاز و شام کے درمیان وادی القریٰ تک واقع تھیں (معالم التنزیل) قاضی بیضاوی ثمود کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں "ثمود اپنے مورث اعلیٰ ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) کے نام سے موسوم ہوئے (انوار التنزیل) قوم ثمود سامی اقوام میں کی ایک شاخ ہے سامی اقوام کو عرب مورخین امم بائدہ (ہلاک شدہ قومیں) کہتے ہیں کیوں کہ وہ انقلابات اور حوادث کی نذر ہو کر فنا ہو گئیں۔ اور عرب عاربہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ وہ عرب کے خالص النسل باشندے تھے جن میں غیر قوموں کا پیوند نہیں لگا تھا اور بعض یہود کی غلط اتباع میں ان کو عمالیق بھی کہتے ہیں۔ ان امم بائدہ یا عرب عاربہ کا سلسلہ نسب تمام ماہرین انساب اور مورخین کے بیانات کے بموجب ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔

1466

تحقیقات جدیدہ اور قدیم تاریخی مواد دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عرب کے قدیم باشندے یعنی امم سامیہ
بڑی پر شکوہ اور باعظمت قومیں تھیں جنہوں نے بابل، مصر و شام اور قرطاجنہ میں بڑی متمدن سلطنتیں
قائم کیں اور مدت دراز تک حکمران رہیں۔ عرب مورخین ان ہی امم سامیہ کو عرب بائدہ یا عرب عاربہ
اور ان کے مختلف قبیلوں کو عاد، ثمود، طسم و جدیس کہتے ہیں۔ ثمود کا دور ترقی و عروج
عاد اولیٰ کی ہلاکت کے بعد جاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے قبل ختم ہو جاتا ہے۔ ثمود شمالی
عرب کی ایک زبردست اور پرشوکت قوم تھی فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتی تھی جیسا کہ مذکور ہوا پہاڑوں کو
تراش کر عظیم الشان عمارتیں، مقابر اور رہائشی مکانات تیار کرتی تھی ان کی یادگاریں تاحال موجود ہیں۔
اصنام پرستی اور مظاہر پرستی ان کا شعار تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں شرک و کفر، ظلم ہی
و معصیت سے روکا اور دین حق کی دعوت دی لیکن بدنصیب قوم نے ان کے پیام حق و صداقت
اور تعلیم و ہدایت کو ماننے سے انکار کر دیا حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اللہ تعالیٰ نے
حضرت صالح علیہ السلام کو حقانیت کے نشان کے طور پر "ناقۃ اللہ" کے معجزہ سے نوازا۔ حضرت صالح علیہ السلام
نے واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ اب تمہارا مطالبہ پورا ہو چکا۔ یہ اونٹنی اللہ کی ایک آیت ہے اور
نشانی ہے اسے نہ چھیڑو اور زمین پر چرنے دو، چشمہ کا پانی ایک دن تم پیا اور ایک دن یہ
اونٹنی پیے گی۔ سنو! اگر اس اونٹنی کو کوئی گزند پہنچے تو پھر تم لوگوں کی خیر نہیں۔ عذاب الٰہی
کا آنا قطعی ہو گا۔ لیکن بدقسمت قوم نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ اگرچہ کہ قوم میں سے چند کمزور
لوگ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت حق قبول کر چکے تھے لیکن اکثر شرک و کفر میں مبتلا رہے
ان میں سے نو افراد جو بے حد شریر، بدنفس اور مفسد تھے لیکن قوم میں بڑا اثر رکھتے تھے ان لوگوں نے
مل کر سازش کی کہ حضرت صالح علیہ السلام اور آپ کے خاندان پر شب خون مارا جائے انھوں نے اونٹنی کی کونچیں
کاٹ دیں۔ آخر کار عذاب الٰہی ایک ہولناک زلزلہ کی شکل میں ظاہر ہوا بجز حضرت صالح
علیہ السلام اور مومنین کے تمام قوم فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ (ل ق) قرآن مجید میں حضرت صالح اور آپ کی دعوت
و نیز قوم ثمود کے انکار، اور سرکشی و نافرمانی اور ثمود پر عذاب الٰہی کی تفصیلات مذکور ہیں۔ ان کی
ہلاکت کے طریقہ کو رجفہ (زلزلہ) صاعقہ (کڑک) صیحہ (چیخ) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔
اور کہیں صرف عذاب کہا گیا ہے۔ یہ ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ ایک کڑک اور گرج ہی
بجلی جب پوری شدت و قوت کے ساتھ لرزہ فگن انداز سے کہیں گرے تو ظاہر ہے بیک وقت
زلزلہ، کڑک، چیخ سب کچھ ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں زلزلہ مراد لیا ہے جو اس لئے
قرین قیاس ہے کہ یہ آتش فشاں زلزلہ تھا۔ (الفنا) ثمود کی قوت و طاقت، شان و شوکت
پھر ان کی نافرمانی و سرکشی، حق سے دوری شرک و کفر قبول ہدایت سے انکار اور اس کا ہلاکت خیز انجام عبرت انگیز ہے
(س م ح ش)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ
لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝

پس پکڑ لیا انھیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب وہ صبح اٹھ رہے تھے * پس فائدہ
نہ پہنچایا انھیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے * اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں
اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور بیشک قیامت آنے ہی
والی ہے (اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ درگزر کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔
(۱۵/۸۳ تا ۸۵۔ ت: ض)

۸۳۔ پس انھیں جبرئیل علیہ السلام کی چیخ نے آدبوچا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان پر ایک دم چیخ ماری تو وہ
سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔ (ف) بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان سے ایسی سخت آواز آئی جو
زمین پر اٹھنے والی سب آوازوں کا مجموعہ تھی۔ اس سخت آواز سے ان کے قلوب پھٹ گئے اور
سورہ اعراف میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (۷/۷۸) الرجفہ بمعنی الزلزلہ۔ سخت آواز کے بعد
جو ہوا کی موجوں سے اٹھتی ہے اسے زلزلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنی پر الرجفہ کو الصیحۃ
کہنا جائز ہوتا۔ درانحالیکہ وہ چوتھے دن یعنی اتوار کے دن صبح کے وقت داخل ہوئے (ف)
صبح کا غیر ممتد وقت جو ضحوۂ کبریٰ (چاشت تک یعنی قبل زوال) تک ختم ہوتا ہے۔ سفینہ کے پہلے
تین دنوں میں پہلے دن کافروں کے چہرے زرد، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ
ہو گئے اسی دن تباہی و بربادی کے مستحق ہوئے۔ فائدہ ہے کہ سعادت مندوں کے سفید چہروں
کے مقابلے میں بدبختوں کے چہرے زرد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس دن بعض چہرے سفید
چمکدار اور روشن ہوں گے۔" (۸۰/۳۸) اور کافروں کے سرخ چہروں کے مقابلہ میں نیک بختوں
کے چہروں کا ذکر یوں ہوا۔ "ہنستے خوشیاں مناتے"۔ (۸۰/۳۹) بدبختوں کے سیاہ چہروں کے مقابلہ
میں نیک بختوں کے چہروں کا ذکر مستبشرۃ (خوش چہرے) سے ہوا مستبشرۃ ان چہروں کو
کہا جاتا ہے جن سے سرور و فرحت کے آثار نمودار ہوں۔ (روح البیان۔ ت)
۸۴۔ وہ پختہ مکانات اور اموال کی کثرت اور نفری کی زیادتی میں سے کوئی چیز بھی عذاب الٰہی کو ان سے
دور نہ کر سکی۔ سورہ توبہ میں غزوہ تبوک کے ضمن میں ذکر ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جب حجر کے علاقہ سے گزرے تو فرمایا ان لوگوں کے مکانوں میں جب تم داخل ہو جنھوں نے اپنے نفسوں

پر ظلم کیا تھا، روتے ہوئے داخل ہو ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر بھی نازل ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر اوڑھ کے پردہ فرمایا درآں حالیکہ آپ سواری پر تھے۔ آپ نے جلدی سے اپنی سواری کو وادی سے گزارا۔
(مظہری۔ ت)

۸۔ ان فقروں کو سن کر مکہ کے مشرک یہ خیال کرتے ہوں گے (اور منکر بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں) کہ پہلی قوموں کے لئے خدائے تعالیٰ نشانیاں دکھلاتا تھا۔ کیوں نہیں دکھلاتا اور پھر ان کی سرکشی پر ہلاک کر دیتا تھا۔ ایسا کیوں نہیں کرتا اور اس پر بہت اصرار کرتے پیغمبر علیہ السلام سے تمسخر کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ بس جو کچھ انسان کے لئے سعادت و شقاوت ہے وہ اسی دنیا میں ہے، قیامت کیسی اور دار آخرت کیسا اور اچھا ہوں یا برا تو پھر دنیا میں منکروں کو کیوں پیدا کرتا ہے اور کیوں ان کو عیش و آرام دیتا ہے۔ ان باتوں کا جواب اس آیت شریف کے جملوں میں کس لطف اور شان کبریائی کے ساتھ دیتا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی ہر چیز کو اور ان کے تغیرات کو دیکھو کہ ان میں ہماری کس قدر نشانیاں ہیں ہر چیز کو ہم نے کس اسلوب کے ساتھ بنایا ہے۔ اب غور کرنے والے کے نزدیک ان سے بڑھ کر اور کون سے معجزات آسکتے ہیں۔ اس طرح یہ جواب بھی کہ اب قیامت بہت قریب آلگی ہے وہیں جزا سزا جلد ہو جاوے گی اور پہلوں کو تمہارے لئے نظیر بنا دیا ہے اب قرب قیامت میں تم کس کے لئے نظیر ہو گے معاملہ قریب آلگا اب وہ عمر ہے نہ وہ قومیں ہیں اس لئے تم سے ویسا نہیں کیا جاتا۔ فاصفح الصفح الجمیل میں ایسے نادانوں اور حمقاء سے اعراض کرنے کا حکم دیا۔ (بحوالہ تفسیر حقانی)

لغوی اشارے ✱ اغنیٰ : وہ کام آیا۔ اس نے غنی بنا دیا۔ اس نے دولت دی۔ اِغناءٌ سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ✱ یَکْسِبُوْنَ : جمع مذکر غائب مضارع مرفوع کَسْبٌ مصدر (ضرب) وہ کمائی کرتے ہیں ✱ سَاعَۃ : گھڑی، وقت، رات یا دن کا کوئی سا وقت ہو ساعت کہلاتا ہے، اہل عرب اس کا استعمال وقت ہی کے معنی میں کرتے ہیں چاہے ذرا دیر ہی کے لئے ہو۔ قرآن مجید میں "الساعۃ" کا لفظ جہاں کہیں بھی استعمال ہوا ہے اس سے قیامت مراد ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں "زمانہ کے حصوں میں سے کوئی بھی حصہ ہو ساعت ہے اور قیامت بھی اس سے مراد لی جاتی ہے۔ ارشاد ہے ● اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ .. پاس آئی قیامت.. (۵۴/۱) اور ● یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ ... آپ سے قیامت کو پوچھتے ہیں .. (۷/۱۸۷) اور ● وَعِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ... اسی کے پاس ہے قیامت کا علم ... (۴۳/۸۵) اب یا تو حق تعالیٰ کے جلد حساب لے لینے کے سبب اس کو قیامت سے تشبیہ دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے ● وَھُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ۔ اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا۔ (۶/۶۲) اور یا اس وجہ سے کہ جس پر یہ کہہ کر تنبیہ فرمایا ● کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا ○ گویا جس دن اسے دیکھیں گے دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کی دن چڑھے (۷۹/۴۶)

اور ● وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ ... اور جس دن انھیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر اس دن کی ایک گھڑی ... (۱۰/۴۵) پس ساعت اولیٰ قیامت ہے اور ساعت ثانیہ زمانہ کا قلیل وقت ۔ اور بعض کا قول ہے کہ وہ ساعات جو قیامت کے معنی دیتی ہیں تین ہیں ۔

۱۔ "الساعۃ الکبریٰ" یعنی لوگوں کا حساب دینے کے لئے اٹھنا ۔ اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے "قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ فحش اور بےحیائی کھلم کھلا ہونے لگے اور یہاں تک کہ روپیہ اور اشرفی کی پرستش ہونے لگے" ۔ اور آپ نے بہت سے ان امور کا ذکر فرمایا کہ جو نہ آپ کے زمانہ اقدس میں ہوئے اور نہ آپ کے بعد وہ فرمانے کے بعد

۲۔ "الساعۃ الوسطیٰ" اور یہ ایک قرن کے لوگوں کا مرجانا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن انیس رض کو دیکھ کر فرمایا "اگر اس لڑکے کی عمر دراز ہوئی تو یہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک قیامت قائم نہ ہو" ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ میں سب سے آخر میں مرنے والے شخص تھے

۳۔ "الساعۃ الصغریٰ" اور یہ انسان کی موت ہے پس ہر انسان کی ساعت اس کی موت ہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ● قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ ... بےشک ہار میں رہے وہ جنھوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آ گئی بولے ہائے افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی ... (۶/۳۱) اور معلوم ہے کہ یہ حسرت انسان کو اس کی موت کے وقت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ارشاد ہے ● وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور ہمارے دیے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں کسی کو موت آئے پھر کہنے لگے اے میرے رب تو نے مجھے تھوڑی مدت تک کیوں مہلت نہ دی کہ میں صدقہ دیتا اور نیکوں میں ہوتا ۔ (۶۳/۱۰) اسی طرح یہ آیت ● قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ ... تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو ... (۶/۴۰) اور مروی ہے کہ جب آندھی آتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے انور متغیر ہو جاتا اور فرماتے "مجھے قیامت کا دھڑکا ہوا" ۔ نیز ارشاد ہے "میں جب بھی نظر اٹھاتا ہوں یا نیچی کرتا ہوں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت ہو چکی)

* اِصْفَحْ : تو درگزر کر (فتح) صَفْحٌ سے جس کے معنی درگزر کرنے اور اعراض کرنے کے ہیں امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر * جَمِيْل : بہتر، خوب تر جَمَالٌ سے بروزن فَعِيْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ (لغات القرآن)

س م حاشی

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا بڑا جاننے والا ہے * اور ہم نے ہی آپ کو سات آیتیں دوہری (الحمد) اور قرآن عظمت والا دیا * آپ ان اقسام اقسام کی چیزوں کی طرف جو ہم نے ان کو برتنے کے لئے دے رکھی ہیں اپنی نظر نہ دوڑایئے اور نہ ان پر رنج کیجئے اور (آپ) ایمان داروں کے لئے جھکے رہا کیجئے (۱۵/۸۶ تا ۸۸ * ت: حقانی)

۸۶۔ کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا رب ہی بڑا خالق ہے اسی نے آپ کو بھی پیدا کیا اور آپ کے دشمنوں کو بھی اسی کے ہاتھ میں تمام امور ہیں۔ وہی (نیک و بد اور نیکوکار اور بدکار کو) خوب جاننے والا ہے پس ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق جزا و سزا دے گا، یا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کو اور آپ کے مخالفین کو خوب جانتا ہے لہٰذا آپ کو اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دینا چاہیئے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی نے آپ کو پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آپ کے لئے کیا مناسب اور مفید ہے پس اس وقت درگزر کرنا ہی مناسب ہے آپ درگزر کیجئے۔ (تفسیر مظہری ت)

۸۷۔ "اور بے شک ہم نے آپ کو دیں "سات آیتیں" "قرآن مجید سے" "اور قرآن عظیم بھی" حسین بن الفضل نے فرمایا کہ سات قافلے مختلف ساز و سامان لے کر بُصریٰ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سامان میں جواہر و عنبر اور دیگر قیمتی اشیاء تھیں۔ اور یہ تمام سامان دشمنانِ اسلام کا تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا تو کہنے لگے کاش یہ سامان ہمارا ہوتا اور ہم اسے راہ خدا میں خرچ کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے جو آپ کو سات آیتیں دی ہیں یہ سات قافلوں (کے ساز و سامان) سے بہتر ہیں اس کی تائید اس کے بعد آنے والی آیت سے بھی ہوتی ہے (کمافی اسباب النزول للواحدی) *

سات آیتیں سے مراد سورہ فاتحہ ہے اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے ایک سو چوالیس حروف پچیس کلمات اور سات آیات ہیں * سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن عظیم بھی آپ کو عطا کیا گیا ہے اور اس کی قدر و منزلت ہمارے ہاں بہت بڑی ہے اور اس کا ثواب بھی بے شمار ہے (ف) فاتحہ کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ یا اس لئے کہ ایک رکعت میں اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملا کر پھر دوسری رکعت میں اسے (سورہ فاتحہ کو) دوبارہ پڑھ کر پھر سورۃ پڑھی جاتی ہے یا اس لئے کہ اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثنا ہے اور دوسرا نصف بندے کے حصے پر مشتمل ہے

اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی سورہ سکھاؤں جو فضیلت کے لحاظ سے قرآن مجید میں سب سے بڑی ہے۔ انہوں نے عرض کی وہ کونسی سورۃ ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین الخ یہی السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔ فقہا فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے بعض حصے کو قرآن مجید کہنا جائز ہے۔ (حضرت علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) چونکہ قرآن مجید کی بعض آیات سے سورہ فاتحہ اعظم و افضل ہے اور بہت سے حقائق کی جامع ہے اس لئے اس پر کل قرآن مجید کا اطلاق جائز ہوا۔ یا یہ بایں معنی مثانی ہے کہ اس میں چونکہ کل قرآن کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور قرآن کا جزو بھی ہے اس معنی پر اسامی کل قرآن کی حیثیت ملحوظ رکھ کر اسے کل قرآن کہا جاتا ہے۔ (روح البیان ...)

۸۸۔ "اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے کچھ جوڑوں کو برتنے کو دی" اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسلمان کو چاہیئے کہ کافر اور کافر کے مال و متاع کو کبھی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ دوسرے یہ کہ مومن اگرچہ مسکین ہو مگر اس کی عزت کرے اور اس کے لئے نرم رہے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش کرم ہر ایک کے لئے کھلی ہوئی ہے۔ فرمایا "ان کا کچھ غم نہ کھاؤ اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لو"۔ (نور العرفان)

● اور ہم نے جو اموال بنی قریظہ اور نضیر یا یہود قریش کے لوگوں کو دے رکھے ہیں آپ ان کی طرف رغبت سے اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں کیوں کہ ہم نے آپ کو نبوت و اسلام اور قرآن کریم کے ذریعے جو اعزاز و اکرام عطا کیا ہے وہ ان کے عطا کردہ اموال سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور اگر یہ کفار ایمان نہ لائیں تو ان کی ہلاکت پر غم نہ کیجئے اور مسلمانوں پر شفقت کیجئے اور ان کے ہم بازو ہو جائیے (تفسیر ابن عباس مترجم)

لغوی اشارے ★ خَلَّاقُ : پیدا کرنے والا، اصل بنانے والا۔ خَلْقٌ سے، مبالغہ کا صیغہ، امام حلیمی نے اس کے معنی لکھے ہیں "ایک مخلوق کے بعد دوسری کو پیدا کرنے والا"۔ اسماء حسنیٰ الٰہیہ میں سے ہے ● سَبْعٌ : سات، صفت، اسم عدد ہے مونث کے لئے آتا ہے ● مَثَانِي : جمع منصوب نکرہ مثنیٰ واحد، مَثْنَی یا ثُنَاءٌ مصدر، ثَنْیٌ کا معنی دوہرا کرنا، تکرار کرنا، اعادہ کرنا، حمایت لینا، ثَنَاءٌ کا معنی بار بار کسی کے اوصاف حمیدہ بیان کرنا ● تَمُدَّنَّ : تو لمبی کر، تو اٹھا، (نصر) مَدٌّ سے جس کا معنی کھینچنے کے ہیں مضارع با نون ثقیلہ کا صیغہ واحد مذکر حاضر، آنکھوں کے لئے جب اس کا استعمال ہو تو اس کے معنی نظر اٹھانے کے آتے ہیں لَا تَمُدَّنَّ نہ اٹھانا بار بار ● مَتَّعْنَا : جمع متکلم ماضی معروف، تمتیع مصدر باب تفعیل، ہم نے دنیاوی ساز و سامان دے کر بہرہ مند کیا ● اَخْفِضْ : تو جھکا دے (ضرب) خَفْضٌ سے جس کے معنی پست ہونے، نرم روی اختیار کرنے اور جھکنے کے ہیں

امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● جناحک : تیرا بازو، تیرا ہاتھ، تیرا پہلو۔ جناح مضاف ک ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ (ل ق)

مفہومات مزید ✶ اسبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے۔ حضرات علی، عمر، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے (ا ک) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ میں شامل ہے اور یہ ساتویں آیت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مخصوص کیا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے کیوں کہ ہر فرض اور نفلی نماز میں ان سات آیات کو بار بار دہرایا جاتا ہے اس لئے انہیں "مثانی" کہتے ہیں۔ امام بخاری نے دو حدیثیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے مروی ہے (جو اوپر مذکور ہوئی ہے)۔ دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ام القرآن (سورہ فاتحہ) ہی سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم ہے۔ (بخاری تفسیر سورہ حجر) لیکن سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی لمبی سورتوں کا یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں بلکہ سارے قرآن کریم کا بھی یہ وصف بیان کرنا اس کے منافی نہیں کیوں کہ یہ صفت تو پورے قرآن مجید میں موجود ہے۔

● اللہ تعالیٰ نے اتاری بہت اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے (جس کی آیتیں) بار بار دہرائی جاتی ہیں (۳۹/۲۳) یعنی قرآن کریم ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے متشابہ اور قرآن عظیم بھی ہے (ایضاً)

حضرت سعید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت فرماتے ہیں۔ فرمایا سبع سے مراد سات سورتیں ہیں اور مثانی بیان کئے گئے ہیں اور مثانی یا تو تثنیہ سے ہے۔ ان کی قراءت کے تکرار یا الفاظ کے تکرار یا قصص و مواعظ کے تکرار کی وجہ سے انہیں مثانی کہا جاتا ہے۔ فرمایا یہ سبع طوال ہیں ان میں سے پہلی سورہ بقرہ ہے اور آخری سورۃ الانفال مع التوبہ ہے کیوں کہ سورۃ الانفال اور توبہ ایک سورت کے حکم میں ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے درمیان بسم اللہ شریف بھی نہیں لکھی جاتی۔ بعض فرماتے ہیں ساتویں سورت سورہ توبہ ہے اور بعض فرماتے ہیں سورہ یونس ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں سبع طوال کو مثانی اس لئے کہا جاتا ہے کہ فرائض، حدود، امثال، خیر و شر اور عبرتوں کا بار بار ذکر آتا ہے ✶ حضرت سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبع طوال عطا کی گئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو چھ عطا کی گئیں۔ بعض محققین کہتے ہیں سبع سے مراد سات رحم والی سورتیں۔ امام بغوی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے مفصل کے ساتھ فضیلت عطا فرمائی (م) طاؤس فرماتے ہیں کہ مثانی سے مراد پورا قرآن ہے کہ اس میں خبریں اور واقعات دہرائے گئے ہیں۔ (مسم ج ش)

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ۝ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ۝
الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝

اور فرما دیجئے کہ میں تو صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں (م) * جیسے ہم نے
اتارا ان بانٹنے والوں پر * جنہوں نے کر دیا تھا قرآن کو پارہ پارہ۔
(۱۵/۸۹ تا ۹۱ * ت : م ض)

۸۹۔ "اور فرمایئے کہ میں تو بلاشبہ (ایسے عذاب سے) کھلا ڈرانے والا ہوں"۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ آپ لوگوں پر واضح کر دیں کہ میں دردناک عذاب سے واضح
ڈرانے والا ہوں۔ اگر یہ لوگ تکذیب سے باز نہ آئے تو ان کا حشر بھی سابقہ قوموں جیسا ہوگا جنہوں
نے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کی روش اختیار کر رکھی تھی اور ان جیسے عذاب سے بھی دوچار ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر معنیٰ)
۹۰۔ یہ لوگ کون تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ مقاتل اور فراء نے کہا ہے کہ یہ سولہ آدمی تھے
جنہیں ولید بن مغیرہ نے حج کے دنوں میں مکہ کے مختلف راستوں اور گھاٹیوں پر مقرر کر دیا تھا۔ جن
کا کام یہ تھا کہ ہر آنے والے کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بدظن کرتے اور انہیں کہتے کہ
خبردار اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جنہوں نے ہم سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کبھی کہتے کہ وہ کاہن ہے
کبھی کہتے کہ وہ بڑے ساحر ہیں کبھی شاعر کہتے۔ وہ لوگوں سے کہتے کہ اگر ہماری بات پر اعتبار نہ ہو تو
ولید بن مغیرہ سے پوچھ لینا جو مکہ کا سردار ہے ولید خود کعبہ حرام کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ وہ
لوگ جب اس سے ان باتوں کے متعلق دریافت کرتے تو وہ طے شدہ منصوبے کے مطابق ان
کی پرزور تائید کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑی رسوا کن موت سے دوچار کیا۔ انہیں مقتسمین
اس لئے کہا تھا کہ انہوں نے راستے آپس میں بانٹ لئے تھے۔ ہر شخص اپنے مقررہ راستہ پر بیٹھ کر
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف زہر افشانی کرتا اور بعض نے کہا مقتسمین یہ لوگ ہیں۔
عاص بن وائل، عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، نضر بن حارث، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج۔ (ضیاء)
۹۱۔ طبرانی نے الاوسط میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے پوچھا حضور قرآن حکیم میں المقتسمین سے کون مراد ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "یہود و نصاریٰ"
پھر پوچھا ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ وہ بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض
کا انکار کرتے ہیں عضة بروزن عدہ کی جمع "عضین" ہے جس کا معنی گروہ یا ٹکڑا ہے
قاموس میں اسی طرح لکھا ہے۔ اس کی اصل عضوة بروزن فعلة ہے اور یہ عضى الشاة
سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے بکری کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہود و نصاریٰ بھی

قرآن کو "دو حصوں" میں تقسیم کر رکھا تھا۔ انہوں نے اس کے افراد بنا رکھے تھے۔ بعض کی تصدیق کرتے اور کہتے یہ حق ہے اور تورات و انجیل سے موافق ہے۔ بعض کو جھٹلاتے اور کہتے یہ تورات اور انجیل کے خلاف ہے۔ بعض محققین فرماتے ہیں وہ قرآن کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ایک کہتا سورہ بقرہ میرے لئے ہے دوسرا کہتا سورہ آل عمران میرے لئے ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں مقتسمین سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور قرآن سے مراد ان کی اپنی کتابیں ہیں جنہیں وہ پڑھتے تھے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ انہیں پہچانتے تھے لیکن ان پر عمل نہیں کرتے تھے ☆ مقتسمین سے مراد اگر یہود ہوں تو نازل ہونے والا عذاب بنو قریظہ کے قتل اور بنی نضیر کی جلا وطنی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اگر ان سے قریش مراد ہوں تو وہ عذاب مراد ہوگا جو بدر کے دن ان پر نازل ہوا تھا جہاں وہ سب قتل ہو گئے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ مقتسمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش رات کے وقت تیار کی تھی اور اس پر قسمیں اٹھائی تھیں
(مظہری - ترجمہ تفسیر ادارہ ضیاء المصنفین)

لغوی اشارے ☆ **المُبِینُ**: اسم فاعل واحد مذکر مرفوع، اِبَانَةٌ مصدر، باب افعال۔ ظاہر کھلا ہوا، ظاہر کرنے والا۔ کھولنے والا۔ مادہ بَیْنٌ بمعنی ظہور، مادہ بَیْنٌ سے باب افعال (ابانۃ) تفعیل (تبیین) تفعّل (تبیُّن) اور استفعال (استبانۃ) لازم بھی ہیں اور متعدی بھی ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا، اس لئے مبین کا معنی ظاہر بھی ہے اور ظاہر کرنے والا بھی ● **المقتسمین**: اسم فاعل جمع مذکر مجرور المقتسم واحد، اقتسام مصدر بانٹ لینے والے مراد یہودی و عیسائی (مروی از ابن عباس) یعنی اپنی کتابوں کے بعض حصوں کو ماننے والے اور بعض کو نہ ماننے والے یا وہ لوگ مراد ہیں جو مکہ کی مختلف گھاٹیوں اور راہوں میں بٹ کر بیٹھ گئے تاکہ آنے والوں کو اسلام سے دور رکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچنے دیں یا وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ کی مخالفت پر مضبوط معاہدے کئے اور قسمیں کھائی تھیں (راغب) ● **عِضِینَ**: پارہ پارہ، ٹکڑے ٹکڑے، بوٹی بوٹی، عِضَۃٌ کی جمع بحالت نصب امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں ارقام فرماتے ہیں "اہل لغت نے عضین کے واحد کے متعلق دو باتیں ذکر کی ہیں۔" اس کا واحد عِضَۃٌ ہے جیسے کہ عِزَۃٌ، بِرَۃٌ اور ثِبَۃٌ ہیں۔ یہ اصل میں عِضْوَۃٌ تھا عَضَیْتُ الشَّیْءَ سے جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں اور ہر ٹکڑا عِضَۃٌ کہلاتا ہے۔ یہ ناقص واوی ہے اور واو جو لام کلمہ تھا حذف ہو گیا ہے۔ تَعْضِیَۃٌ کے معنی تجزیہ اور تفریق کے ہیں چنانچہ بولتے ہیں عَضَّیْتُ الجزور والشاۃ تعضیۃ یعنی میں نے اونٹ بکری کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ان کو تقسیم کر دیا اور حدیث میں آتا ہے "لا تعضیۃ فی میراث الا فیما یحتمل القسمۃ" (میراث میں

صرف اسی چیز کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں جو تقسیم کے قابل ہو) یعنی جو چیز تقسیم نہ ہو سکے جیسے موتی، تلوار وغیرہ
اس کو تقسیم نہیں کیا جاتا تھا۔ آیت شریف اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ (انہوں نے قرآن کو
پارہ پارہ کر دیا) سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں چنانچہ
کوئی اسے سحر، کوئی شاعری، کوئی اگلوں کے افسانے اور کوئی خود ساختہ بتاتا ہے۔

اس کا واحد عِضَةٌ ہے اور وہ اصل میں عِضْوَةٌ تھا چونکہ "دو واؤوں" کو اکٹھا
ہونا ثقیل خیال کیا گیا اس لئے عِضَةٌ ہو گئے جس طرح سے کہ شَفَةٌ کے بارے میں بیان کرتے ہیں
کہ یہ اصل میں شَفْهَةٌ تھا* اور یہ عِضَةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں اور اسی
معنی میں حدیث میں آتا ہے۔ "اِیَّاکُمْ وَالْعِضَةَ" تم جھوٹ سے بچو اور ابن السکیت نے
کہا ہے کہ عِضَة کے یہ معنی ہیں کہ انسان بہتان باندھے اور اگر کسی چیز کے متعلق وہ بات کہے جو
اس میں نہ ہو اور یہی خلیل کا بھی قول ہے جیسا کہ لیث نے بھی ان سے نقل کیا ہے۔ اور عِضَة
کا جمع (عِضُونَ) ذوی العقول کی جمع کے وزن پر اس لئے آتا کہ اس میں حذف ہوا ہے لہذا
الف نون کے ساتھ جمع لاکر اس کو حذف کا عوض کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر) (لغات القرآن)

معلومات مزید * "فرمایا کہ میں ڈر سنانے والا اور عذاب الٰہی کے نزول کو ظاہر کرنے والا ہوں" *
"جیسا کہ ہم نے عذاب نازل کیا ان لوگوں پر جو تقسیم کرتے تھے یہ قول ربانی ہے * (حقانی میں ہے کہ) کہہ دیجئے
کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں * فوراً بعد والی آیات ۹۰، ۹۱ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں جیسا کہ یہ ہے کہ
ہم باقی مخالفین پر اسی طرح سے بلا (عذاب) نازل کریں گے کہ جیسے ہم نے ان لوگوں پر کیا تھی کہ جنہوں نے
قرآن کو بانٹ کر حصے کئے تھے اس میں بھی مفسرین کئی طریق سے بیان کرتے ہیں تو عمدہ یہ ہے کہ مشرکین
مکہ میں سے چند شریر اور سرکش تھے کہ جنہوں نے ایام حج میں مکہ کے راستے بانٹ رکھے تھے ہر ایک کو ایک
رستے پر بٹھا دیا تھا کہ جو آئے اس راہ سے آئے ان کو کہہ دیجو کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باتیں
نہ ماننا۔ انہوں نے از راہ مضحکہ قرآن کی سورتوں کے ناموں پر خیال کر کے اس کے حصے بھی کئے تھے
کوئی کہتا بقرہ میں لوں گا۔ عنکبوت مجھے دیتا ہوں علیٰ ہذا القیاس یہ لوگ ہلاک ہوئے مگر اس میں
اور لوگوں کو تنبیہ ہے۔

س م ح ش

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا
تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝

تو تمہارے رب کی قسم ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے * جو کچھ وہ کرتے تھے * تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو * بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں۔ (۱۵/۹۲ تا ۹۵ * ت: کنز)

۹۲۔ مجھے آپ کے رب کی قسم کہ ہم سب سے سوال کریں گے قیامت میں۔ یعنی کفار کے تمام اقسام سے کہ وہ "قرآن مجید کے اجزاء کو اپنے مقاصد پر تقسیم کرنے والے ہیں" یا کوئی اور۔ یہ سوال باز پرس اور زجر و توبیخ کا ہوگا۔ یعنی انہیں کہا جائے گا کہ یہ کام تم نے کیوں کئے * اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان سے سوال اس معنی پر نہ ہوگا کہ ان سے معلومات حاصل ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ ہر بات جانتا ہے" بلکہ ان کے متعلق زجراً و توبیخاً کہا جا رہا ہے جیسے جب ہم کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم اس سے پوچھیں گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا مطلب اظہار ناراضگی ہے (روح البیان)

۹۳۔ (سوال کئے جائیں گے) اس سے جو وہ عمل کرتے تھے دنیا میں جو قول و فعل کیا۔ یا نہ کرنا تھا تو کرلیا وغیرہ۔ بحر العلوم میں سوال مذکور لکھ کر جواب لکھتے ہیں کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا۔ اس کے متعلق پچاس ہزار سال کی مقدار بتائی گئی ہے اسی لئے اس دن کئی قسم کے زمانے اور کئی طرح کے حالات وقوع پذیر ہوں گے بعض اوقات تو ان سے نہ سوال اور نہ ہی کسی قسم کی گفتگو ہوگی۔ حضور اکرم اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں تم ایک ہزار سال اندھیرے میں خاموش پڑے رہو گے۔ قیامت میں ایک دور ایسا آئے گا کہ اس دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے" (۳۷/۲۷) اور ان پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ محققین فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کے متعلق سوال کرے گا کیوں کہ یہی کلمہ نجات ہے اور کلمہ علیا ہے اسے اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور چودہ طبق دوسرے پلڑے میں تو کلمہ توحید ان چودہ طبقات سے بھاری ہوگا اور یہی کلمہ جو ایک بار کہتا ہے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (ایضاً)

۹۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم سرفراز فرما رہا ہے کہ آپ برملا اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں اور کسی کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ بلا خوف و خطر فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ نماز میں با آواز بلند قرأت پڑھیں

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوشیدہ دعوت دیا کرتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد علی الاعلان تبلیغ توحید و رسالت کا کام شروع کریں۔ حکم ہوا کہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچاتے رہیں اور ان مشرکین کی طرف توجہ ہی نہ دیں جو آپ کو آیات الٰہی کے بیان کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے کہ " اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے ..." (۶۷/۵) (ابن کثیر۔ ت عن")

۹۵ ۔ "ہم کافی ہیں مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے" یعنی ہم ان استہزاء کرنے والوں کو ہلاک کر کے اور ان کو نیست و نابود کر کے آپ کی کفایت کریں گے۔ امام البغوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ آپ برملا اپنی دعوت کا اعلان فرمائیے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر دشمن سے بچاتا ہے جیسے اس نے مستہزئین کے شر سے آپ کو بچایا تھا۔ (مظہری۔ ت عن")

لغوی اشارے ✶ اِصدَع : تو کھول کر سنا دے (فتح) صَدعٌ سے۔ امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اصل میں صَدعٌ کے معنی کسی ٹھوس جسم مثلاً لوہا یا شیشہ وغیرہ میں شگاف پڑ جانے اور اس کے شق ہو جانے کے ہیں۔ گویا کھل جانا اس کے مفہوم میں داخل ہے اسی اعتبار سے کسی بات کے کھلم کھلا کہنے کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہیں ● اَعرِض : تو منہ پھیر لے۔ تو کنارہ کر۔ اِعرَاضٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● کَفَینَا : جمع متکلم ماضی معروف۔ ہم کافی ہیں۔ ہم ضرورت پوری کرتے ہیں جس کے بعد کسی کی حاجت نہیں رہتی ● المُستَهزِئِینَ : اسم فاعل جمع مذکر منصوب ٹھٹھا کرنے والے۔ انکار کرنے والے۔ (لغات القرآن)

مفہومات مزید ✶ کفر و معاصی کے متعلق ضرور باز پرس ہوگی۔ اور جو کچھ انہوں نے قرآن کی تقسیم کی اور جھوٹ یا کذب کی نسبت قرآن کی طرف کی اس کا بھی مواخذہ ہوگا۔ الغرض تمام افعال بد اور اقوال قبیحہ پر سزا ملے گی۔ امام بخاری نے فرمایا۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ عما کانوا یعملون سے مراد یہ ہے کہ ہم ان سے لا الٰہ الا اللہ کے متعلق پوچھیں گے (بغوی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "لا الٰہ الا اللہ کے متعلق باز پرس ہوگی (ترمذی) مسلم نے ابو برزہ الاسلمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کسی بندہ کے پاؤں اس وقت تک پل صراط سے نہ ہٹیں گے حتیٰ کہ چار چیزوں کے متعلق پوچھ لیا جائے گا (یعنی پل صراط کو عبور کرنا ان سوالات کے بعد ہوگا۔) ۱۔ عمر کو کس شغل میں گزارا۔ ۲۔ اپنے جسم کو کس کام میں صرف کیا۔ ۳۔ علم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس پر کتنا عمل کیا۔ ۴۔ مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کیسے کمایا تھا اور کس طرح اس کو خرچ کیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

علم میں خیر خواہی کو پیش نظر رکھو ۔ ایک دوسرے سے علم نہ چھپاؤ۔ کسی شخص کا علم میں خیانت کرنا مال میں خیانت کرنے سے زیادہ بُرا ہے ۔ اللہ تعالیٰ علمی خیانت پر تم سے مواخذہ کرے گا ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس مقصد کے لئے قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے متعلق باز پرس فرمائے گا ۔
النفیع بن عبداللہ الکلاعی نے کہا کہ جہنم کے سات پل ہیں اور ان کے اوپر پل صراط ہے مخلوق کو پہلے پل پر روکا جاتا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ان کو روکو اب ان سے سوال ہوگا ۔ نماز پر محاسبہ ہوتا ہے اور نماز کے متعلق ان سے پوچھا جاتا ہے ہلاک ہونے والا یہاں ہی ہلاک ہو جاتا ہے اور نجات پانے والا نجات پا جاتا ہے ۔ اسی طرح ہر پل پر ایک ایک حکم اور عمل سے متعلق پوچھا جاتا ہے • کفار کے رؤسا اور اشراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتے اور آپ کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے ۔ حضرت عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ بدبخت تھے جو سب عمر رسیدہ اور اپنی قوم کے معتبر اور بڑے تھے اور ان کی تفصیلات اس طرح ہیں اسود بن ابی زمعہ (بنو اسد) اسود بن عبد یغوث (بنو زہرہ) ولید بن مغیرہ (بنو مخزوم) عاص بن وائل (بنو سہم) اور حارث بن طلاطلہ (بنو خزاعہ) جب یہ لوگ شرارت اور استہزاء میں حد سے تجاوز کر گئے تو یہ آیات نازل ہوئیں مختلف محققین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اسی وقت اسود بن عبد یغوث حضور انور کے پاس سے گزرا ۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً استسقاء کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا ۔ پھر ولید بن مغیرہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے گزرا تو جبرئیلؑ نے اس کے ٹخنے کے نیچے موجود زخم کی طرف اشارہ کیا یہ زخم اسے دو سال قبل تیر کی نوک سے لگا تھا ۔ اشارہ جبرئیل پر زخم دوبارہ خراب ہو گیا اور اس کی موت ہو گئی پھر عاص بن وائل گزرا ۔ حضرت جبرئیل نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا جب عاص اپنے گدھے پر سوار طائف تیار ہوا تو راستے میں گر پڑا اور ایک کیل اس کے تلوے میں لگا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوا ۔ پھر حارث بن طلاطلہ کا گزر ہوا تو حضرت جبرئیل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون اور پیپ آنے لگا اور اسی باعث وہ جہنم رسید ہوا حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ان کا سرغنہ ولید بن مغیرہ تھا جس نے ان سب کو اکٹھا کیا تھا ۔ (ابن ہشام، ابن کثیر) مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ پانچ تھے جب کہ شعبی کا بیان ہے کہ استہزاء کے مرتکبین کی تعداد سات تھی تاہم راجح قول پانچ ہی کا ہے (ص م ح ش)

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ
يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝
وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

✱ اور جو بناتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا سو ہے (حقیقت حال کو) ابھی جان لیں گے
✱ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہا کرتے ہیں
✱ سو آپ پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہوجائیے سجدہ کرنے والوں سے
اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین۔
(۱۵/ ۹۶ تا ۹۹ ✱ ت: ضیاء)

۹۶۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں معبودان باطلہ کو۔ پس وہ عنقریب جان لیں گے یعنی انھیں اپنا انجام معلوم ہوجائے گا اور اپنے کردار کا بدلہ دیکھ لیں گے۔ اس سے انھیں وعید سنائی گئی۔ جمہور کا مذہب ہے کہ یہ آیت ان پانچ سرکشوں کے حق میں نازل ہوئی جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذاء دینے میں سب سے پیش پیش تھے اور یہی لوگ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ استہزاء کرتے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن تباہ کردیا اور ان کی تباہی و بربادی بدر سے پہلے واقع ہوئی
✱ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے ساتھ جو لوگ استہزاء و تضحیک کرتے ہیں ان کا کام میں خود تمام کردوں گا۔ چنانچہ وہ وعدہ پورا ہوا حضور علیہ السلام کو ایسی کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑی اور دشمنان رسول خدا بھی کیفر کردار کو پہنچ گئے۔ ان کا انجام جس تباہی و بربادی سے ہوا از منہ سابقہ اس کی مثال دینے سے قاصر ہے اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ میں یہی لوگ مراد ہیں۔ (روح البیان۔ ت)

۹۷۔ "اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو" یعنی اور ان کے طعن اور استہزاء اور شرک و کفر کی باتوں سے آپ کو ملال ہوتا ہے (کنزالایمان و حاشیہ)

● حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلب اقدس خلق خدا کے لئے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے لبریز تھا۔ حضور جب اپنی قوم کی گمراہی اور اس پر ان کے اصرار کو دیکھتے تو دل درد سے بھر جاتا اور شدید قسم کی گھٹن محسوس ہونے لگتی۔ (ضیاء القرآن)

۹۸۔ آپ اپنے رب کی تسبیح تحمید کرتے رہیں یعنی ہر چیز سے دل کو خالی کرکے اللہ کی حمد و تسبیح (اللہ کی پاکی) کے اعتراف و اظہار میں مشغول ہوجائیے۔ اللہ آپ کی کارسازی کرے گا۔ حمد و تسبیح میں مشغول ہونے سے

دل کی کوفت اور سینہ کی تنگی دور ہو جائے گی یعنی یہ مطلب ہے کہ ان کے (مشرکانہ اور کافرانہ) اقوال سے اللہ کے پاک ہونے کا اظہار کیجئے اور ساتھ ہی اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ نے حق کا راستہ آپ کو دکھا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے (تسبیح و حمد سے مراد اللہ کی نماز اور آیت کی تشریح میں) فرمایا۔ آپ اپنے رب کے حکم کے موافق نماز پڑھئے ✻ اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں۔ ساجدین سے مراد ہیں تواضع اور اظہار فروتنی کرنے والے۔ ضحاک کے نزدیک نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ امام احمد ابو داؤد، ابن جریر نے حضرت حذیفہؓ بن یمان کے بھائی حضرت عبد العزیز کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی امر ثقیل پیش آتا تو آپ نماز کی طرف رجوع کرتے۔ (تفسیر مظہری۔ ثبات الجلالی)

● یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح تحمید کرو۔ یہ تمہیں دل کی افسردگی اور گھٹن سے دور کر دے گی اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے تمہارے دشمنوں کے لئے کافی ہوگا اور تمہارے غم و اندوہ کو دور فرما دے گا اور آپ کے سینہ اقدس کو ہر قسم کی گھٹن و رنج سے شفا بخشے گا۔ یا یہ معنی کہ اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرو اس بات سے جو یہ کفار کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرو اس نعمت پر کہ اس نے آپ کی حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی اپنے رب کے حکم سے نماز پڑھئے۔ ✻ اور متواضعین میں سے ہو جائیے۔ الضحاک کہتے ہیں اس کا معنی ہے "سبحان اللہ وبحمدہ" کا ورد کیجئے اور نمازیوں میں سے ہو جائیے۔ (تفسیر مظہری۔ ضیاء المصنفین)

99۔ واعبد ربک ..... بقول سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ، یقین سے مراد موت ہے۔ مجاہد، حسن، قتادہ اور عبد الرحمٰن بن زید وغیرہم کا بھی یہی قول ہے اس کی دلیل یہ فرمان ہے "ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم بیہودہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ بیہودہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آ لیا"۔ سورۃ المدثر کی آیات ۴۳ تا ۴۷ میں سے آیت ۴۷ میں موت کی جگہ لفظ "یقین" ہے ✻ ایک انصاریہ ام العلاء بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے گئے تو میں نے کہا: اے ابو السائب! تجھ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، تمہیں اللہ تعالیٰ نے عزت و تکریم سے نوازا رکھا تھا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت سے نوازا تھا۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! پھر اور کون ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے پاس تو یقین (موت) آ گیا۔ میں اس کے لئے خیر کی امید کرتا ہوں۔ اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ آیا ہے۔ اس آیت سے استدلال

1481

کیا جاتا ہے کہ نماز یا کوئی اور اس جیسی عبادت انسان پر فرض ہے جب تک اس کی عقل باقی رہے۔ اپنی حالت کے مطابق نماز ادا کرے جیسا کہ عمران بن حصین سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے: کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر (کتاب الصلاۃ۔ صحیح بخاری) بہر صورت یہاں یقین سے مراد موت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کامل اور بہترین حالت میں اسلام پر موت دے۔ وہ بہت سخی اور کریم ہے (تفسیر ابن کثیر۔ الفیا)

لغوی اشارے ✯ يَضِيْقُ: واحد مذکر غائب مضارع ضیق مصدر (ضرب) تنگ ہوتا ہے ● صَدْرُكَ: تیرا سینہ صدرٌ مضاف كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ● سَبِّحْ: تو تسبیح کر تو پاکی بیان کر، تو عبادت کر۔ تسبیحٌ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ● حَمد: تعریف، خوبی، اللہ تعالیٰ کی منقبت اور ثنا کو حمد کہتے ہیں۔ یہ مدح سے خاص ہے اور شکر سے عام ہے کیوں کہ مدح ان افعال پر ہوتی ہے جو انسان سے اس کے اپنے اختیار سے سرزد ہوتے ہیں اور ان اوصاف پر بھی ہوتی ہے جو بہ تسخیر الٰہی اس میں موجود ہیں چنانچہ جس طرح انسان کی مدح طول قامت اور رخ صبیح پر ہوتی ہے اسی طرح مال کے خرچ کرنے اور سخاوت اور حصول علم پر بھی ہوتی ہے۔ اور حمد صرف ان امور پر ہوتی ہے جو بہ تسخیر الٰہی ہوں اور شکر وہ ہے جو نعمت کے مقابلہ میں ہو۔ پس ہر شکر حمد ہے اور ہر حمد شکر نہیں اور ہر حمد مدح ہے اور ہر مدح حمد نہیں ہے ● يَقِيْن: اسم ظن و تخمین کے خلاف۔ کسی بات کو قطعی طور پر جان کر فہم میں سکون و اطمینان پیدا ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔ معرفت اور درایت سے یقین کا درجہ و مرتبہ اونچا ہے اسی لئے ہمیشہ علم کی صفت ہوتا ہے معرفت یقین نہیں کہا جاتا علم یقین کہا جاتا ہے (راغب) یقین ہمیشہ علم کی صفت ہوتا ہے یعنی ترتیب تصورات کے بعد جو قطعی اطمینان بخش علم حاصل ہوتا ہے وہ یقین کہلاتا ہے اس لئے اللہ کا علم یقین کے ساتھ متصف نہیں ہوتا علم الٰہی تو بعینہٖ مشاہدہ ہے تحصیلی یا کسبی نہیں ہے (بیضاوی مع بعض زیادت) باب استفعال۔ افعال۔ تفعل سب اس سے مستعمل ہیں اور سب کا معنی ایک ہی ہے۔ یعنی یقینی طور پر جاننا۔ یقین کرنا۔ کسی چیز کو یقینی پانا۔ یقین اس چیز کو کہتے ہیں جو واجب الیقین ہو جس کا ہونا یقینی ہو۔ اسی لئے عربی میں یقین بمعنی موت بھی مستعمل ہے (لغات القرآن)

معلومات مزید ✯ سورۃ الحجر کی آخری آیت کریمہ میں وَاعْبُدْ کا حکم ہے کہ تو عبادت کئے جا۔ بندگی کئے جا۔ عبادت انتہائی فروتنی کے معنی میں ہے اور اس کا استحقاق بھی سوائے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے کہ جس کے افضال و انعام بے حد و نہایت ہیں کسی اور کو نہیں ہے ✯ عبادت نام ہے اس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو (ابن الاثیر) شرع میں عبادت وہ ہے جو انتہائی محبت فروتنی اور خوف سے ہو (ابن کثیر) عبادت اس فعل کا نام ہے جس کے ذریعہ تعظیم الٰہی کے لئے فرض کی ۴۴

[illegible]

یا کسبی

(خازن) ۱۳ اپریل ... [illegible]

(الحمد للہ سورۃ الحجر کی تفسیر مکمل ہوئی)

۳۔